جلد 15 شمارہ 6 جون 2013ء رجب/شعبان 1434ھ

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیت

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

گوجرانوالہ

# فلاحِ آدمیت

فلاحِ آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈار
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335

مدیر
احمد رضا خان
0321-6400942

نائب مدیر
سید رحمت اللہ توحیدی
0333-4552212

معاون مدیر
خالد محمود توحیدی
0300-7374750

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835/055-4005431
فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے    سالانہ فنڈ -/300 روپے

## اس شمارے میں

# دل کی بات

تصوّف کے سلاسل میں روحانی فیض محبت کی لہروں پر سفر کرتا ہے۔مریدین سلسلہ اپنے مرشد کے فیض اور توجہ سے ہی منازل سلوک طے کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شیخ سلسلہ سے محبت اور عقیدت کا شمار مریدین سلسلہ کی اوّلین ترجیحات میں ہوتا ہے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بھی شیخ سلسلہ سے محبت اور عقیدت کو اوّلیت حاصل ہے مگر اس کے تقاضے دوسرے سلاسل سے کچھ مختلف ہوجاتے ہیں جب ان میں مرشد کی اطاعت کا عنصر شامل ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو ایک تحریک کی صورت میں منظم کیا۔اس کا منشور اپنی تصنیف 'طریقت توحیدیہ' کی صورت میں تحریر فرمایا، جس میں عقائد و نظریات اور ذکر اذکار کے ساتھ ساتھ تنظیمی ڈھانچے کو بیان فرمایا۔یہی تحریر کردہ منشور سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں ہمیشہ رہنا ہے اور مریدین سلسلہ کو اسی پر کاربند رہنا ہے۔جو لوگ محبت کی بھول بھلیوں اور عقیدت کی داستانوں میں کھو گئے وہ نہ تو منزلِ مقصود کو پا سکے اور نہ ہی اپنے مرشد کی محبت کے تقاضوں کو پورا کر کے سچے وفا شعار ثابت ہوئے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں ایک شیخ سلسلہ کے پردہ فرما جانے کے بعد اسی سلسلہ میں ان کے جانشین کی پیروی اختیار کر کے اپنا روحانی سفر جاری رکھنا ہوتا ہے۔یہ مستحکم روایت دوسرے سلاسل تصوف میں شاذونادر ہی نظر آتی ہے۔ غیر وراثتی گدی نشینی کا یہ سفر بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی زندگی سے ہی شروع ہوتا ہے۔بانیٔ سلسلہؒ نے اپنی زندگی میں ہی طے شدہ ضابطے کے مطابق جناب عبدالستار خان صاحبؒ کو خلیفہ و جانشین کے منصب پر فائز کیا، جنہوں نے آپؒ کی وفات کے بعد شیخ سلسلہ کے منصب پر تمام مریدین سے بیعت لی۔جناب عبدالستار خان صاحبؒ نے ایک عرصہ تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت کو عام کیا۔جناب عبدالستار خانؒ اپنے خلیفہ و جانشین کا تعین کیے بغیر ہی اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

مجازین کرام نے ضابطہ کے مطابق قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی کو شیخ سلسلہ کے منصب پر فائز کیا۔ آپ نے تمام مریدین سلسلہ سے بیعت لی اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے امور کا انتظام سنبھالا۔ آپ نے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو اس نہج پر پہنچایا کہ آج یہ دعوت نہ صرف مستحکم بنیادوں پر استوار ہے بلکہ اس سے وابستہ افراد فکری اور نظریاتی پختگی کے ساتھ معاشرے میں یہ دعوت پہنچانے کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ بلاشبہ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے سچے اور وفا شعار مرید ہونے کا عملی ثبوت دیا ہے۔ آج جبکہ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی مکمل طور پر اپنے اوپر عائد شیخ سلسلہ کے منصب کی ذمہ داریوں کا حق ادا کر کے جناب حضرت محمد یعقوب صاحب کو اپنے خلیفہ و جانشین کے لئے نامزد کر چکے ہیں تو یہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ وہ امانت جس کے قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب امین ہیں وہ پوری طرح قواعد و ضوابط کے مطابق نئے امین کو سونپے جانے کیلئے تیار ہے۔ اب یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے محسن، مہربان، اور شفیق مرشد قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور اس روحانی دعوت کی ترویج و ترقی کو اپنی ترجیحات میں رکھ کر مستقل مزاجی سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بابا جان قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ آپ کو ضعف عمری کی تمام تر آزمائشوں سے اپنی پناہ میں رکھے، اور آپ کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین یا رب العالمین!

والسلام!

احمد رضا خان

مدیر

# درس قرآن سید قطب شہید

## ترجمہ: مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (سورۃ الحجرات آیت 17)

**ترجمہ:** "یہ لوگ تجھ پر اسلام لانے کا احسان دھرتے ہیں تو کہہ کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ دھرو۔ بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی اگر تم دعوائے ایمان میں سچے ہو"۔

### مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو!

جو شخص اپنے اسلام کا احسان کسی پر دھرتا ہے، اس کا یہ فعل اس کے غیر صادق الایمان ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ شخص صادق الایمان ہو تو ایمان کو نعمت خداوندی جانے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ احسان جتانے والے نے ابھی ایمان کی حلاوت نہیں چکھی اور وہ تا حال اس کے دل میں متمقر نہیں ہوا۔ ورنہ وہ یہ ناشکری نہ کرتا۔ اس زمین میں کسی انسان پر کئے جانے والے اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایمان سب سے بڑا انعام ہے اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جو بندے کو وجود بخشا تھا ایمان کی نعمت اس سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ نعمت رزق، صحت، حیات اور مال ومتاع سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو انسان کو ایک امتیازی نشان دیتی ہے اور دنیا میں اس کا بڑا عظیم کام مقرر کرتی ہے۔ اس نعمت کے باعث پہلا فرق یہ پڑتا ہے کہ وجود کائنات کے بارے میں انسان کا تصور بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کا ربط ساری کائنات کے

ساتھ ہوجاتا ہے۔سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، دریا غرض ہر چیز مومن ہے۔انسان مومن ہو کر اس وسیع کائنات کا فرد بن جاتا ہے وہ اپنے مقصد کو جان لیتا ہے۔چیزوں کی قدر و قیمت کو جان لیتا ہے اور اپنے اردگرد کے واقعات و حوادث کی حقیقت جان لیتا ہے۔کرۂ ارض پر اپنے بھیجے جانے کے مقصد کو پالیتا ہے، کائنات کے وجود کو، اسکے خالق کو اور اپنی خلافت ارضی کو سمجھ لیتا ہے۔ اسے اپنی قدر و قیمت اور عزت و اکرام کا شعور ہو جاتا ہے۔وہ زمان و مکاں میں اپنی محدود ذات کے دائرے سے باہر نکل آتا ہے اور اپنی حقیقت و اہلیت کو معلوم کر لیتا ہے۔

## انسان کو انسانیت کہاں سے ملی؟

اپنی جنس کے اعتبار سے انسان ایک انسانیت کا فرد ہے اور انسانیت کی اصل ایک ہی ہے وہ اصل کیا ہے؟ یہ کہ انسان میں ابتداءً روح اللہ کے نفوذ کے باعث اس کو دیگر مخلوقات پر فضیلت حاصل ہوئی۔انسان مٹی کا ایک پتلا تھا جس میں خدائی نور کی ایک پھونک ماری گئی۔اور وہ انسان کہلایا۔اس میں وہ نور آزاد سمایا تھا جس کو آسمان و زمین، ابتداء و انتہا اور زمان و مکان بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔اسی نور مطلق کی جھلک نے اس انسان کو انسان بنایا اور اسی کو اشرف المخلوقات اور مسجود ملائکہ قرار دیا۔انسان اگر اس نکتہ ازلیہ، اس نور مطلق کا ہی خیال کر لے تو اس کو اپنی قدر و قیمت، اپنی عظمت و رفعت معلوم ہو جائے گی۔وہ جان لے گا کہ دراصل میں یہاں کی چیز نہیں ہوں، بلکہ ساری مادی کائنات سے بلند تر ہوں، وہ اپنے مقام کو پالے تو اس کے پاؤں زمین پر چلیں گے مگر اس کا دل نور کے پروں سے اڑ کر مصدر نور اوّل کی طرف جانے کی سعی کرے گا

## انسان اُمتِ مسلمہ کا ایک فرد ہے:

انسان جس جماعت کی طرف منسوب ہے اس کے لحاظ سے مومن اُمتِ واحدہ کا ایک فرد ہے۔یہ اُمت زمان و مکان کی پابندیوں سے بالاتر ہے اس کا جلوس نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد ﷺ کی رہنمائی میں اور ان کے انبیاء و رسل کی رہنمائی میں ابتدائے کائنات سے

رواں دواں ہے اور قیامت تک رواں دواں رہے گا۔ انسان کو اپنی انسانیت پر فخر کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ یہ تصور اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ پھر وہ اپنے آپ کو اس بلند وبالا، ہمیشہ سرسبز و شاداب، عظیم وطویل درخت کی شاخ سمجھے گا جس کی جڑیں گہری ہیں، شاخیں بہت بلند ہیں اور اپنی طویل عمر کے لحاظ سے آسمان کے ساتھ متصل ہیں۔ جب انسان یہ سمجھے تو اسے ایک نئی زندگی مل جاتی ہے، زندگی کا ایک جدید تصور مل جاتا ہے جس کو وہ اپنی اس دنیوی فانی زندگی کے ساتھ ملا کر اس کو بہت طویل وعریض بنا سکتا ہے۔

## تصورِ انسانی کی وسعت:

پھر انسان کا تصور وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی ذات، اُمت اور جنس سے آگے گزر جاتا ہے اور وہ سارے وجود کائنات کو زندہ سمجھنے لگتا ہے، یہ وجود بھی اللہ تعالیٰ سے ہی صادر ہوا ہے اور اسی کی روح کے نفخے سے یہ انسان، انسان بنا ہے پھر اس کا ایمان اسے بتاتا ہے کہ سارا وجودِ کائنات ایک زندہ وجود ہے جو زندہ کائنات سے مرکب ہو کر زندہ ہوا ہے اس وجود کی ہر شے میں ایک روح ہے اور اس پوری کائنات کی بھی ایک کلی روح ہے۔ ان تمام چیزوں کی ارواح، کائنات کی روح انسانی روح کے مانند اپنے خالق کی طرف دعا کے ساتھ متوجہ ہے، اسی کی تسبیح کرتی ہے اور صبر و اطاعت کے ساتھ اور عاجزی کے ساتھ دعا کرتی ہے۔ انسان اس کائنات میں اپنے آپ کو کل کا ایک جزو پاتا ہے۔ اس سے جدا اور بیگانہ نہیں ہے۔ جب انسان یہاں تک پہنچ جائے تو وہ اپنی محدود ذات سے نکل کر عظیم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عظیم وجودِ کائنات کا حصہ ہے تب وہ اپنے اردگرد کی ارواح سے اُنس و محبت محسوس کرتا ہے اور اس سے بڑھ کر اپنی نگرانی کرنے والی روحِ خداوندی سے مانوس ہوتا ہے اس وقت اس کو یہ شعور ہوتا ہے کہ وہ اس ساری کائنات کے وجود کے ساتھ متصل ہو سکتا ہے اس کے طول وعرض میں سما سکتا ہے اور وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس سے بہت کچھ صادر ہو سکتا ہے، بڑے بڑے حوادث و واقعات کا موجب

بن سکتا ہے۔ہر چیز کو متاثر کرسکتا ہے اور ہر چیز سے متاثر ہوسکتا ہے پھر وہ براہ راست اس قوت کبریٰ سے مدد حاصل کرسکتا ہے۔جس نے اس کو پیدا کیا ہے، ساری کائنات اور اس کی قوتوں کو پیدا کیا، جوقوت ہر دم تازہ، ہر دم زندہ پائندہ اور ہر دم قوی ہے۔

## اس وسیع تصور سے نئی اقدار حاصل ہوتی ہیں:

انسان جب اس وسیع تر تصور کو اختیار کر لے تو اسے زندگی کے اشیاء اور واقعات حوادث کی جدید قدریں حاصل ہوتی ہیں اور اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات میں اس کا حقیقی مقام اور اس کا تقاضا کیا ہے وہ اپنے آپ کو اس وجودِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اقدار میں سے ایک قدر شمار کرتا ہے اور وہ کرہ ارض پر ثابت قدمی کے ساتھ قلب وضمیر کی پوری بصیرت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔اسے یقین واطمینان سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟اس کی منزل کیا ہے؟اور وہ اس منزل میں کیا پائے گا؟ اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں ایک غرض وغایت اور ایک مقصد کے لئے آیا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہی اس کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہاں کے ہر چھوٹے بڑے فعل کی جزا وسزا برحق ہے۔انسان کی پیدائش بے مقصد وعبث نہیں ہے اور اس کو بے مقصد نہیں چھوڑا جائے گا۔جب انسان یہاں تک پہنچے تو شک واضطراب اور بے چینی رفع ہوجاتی ہے۔ اسے سکون وراحت اور اطمینان قلب مل جاتا ہے۔مگر وہ ایسی بات نہیں کہتا جیسی عمر خیام نے کہی تھی کہ "میں نے کسی کے مشورے کے بغیر ہی عمر کا لباس پہنا اور اس کے بارے میں مختلف اقسام کے فکر وغم کا شکار رہوا۔کچھ دیر کے بعد میں یہ لباس اپنے سے اتار پھینکوں گا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جارہا ہوں۔"

عمر خیام کا یہ خیال ایک محض شاعرانہ اور فلسفیانہ خیال ہے۔اس قسم کے فلسفی مسلم کہلانے کے باوجود ہمیشہ اضطراب کا شکار رہے۔ابوالعلاء مصری کا بھی یہی حال تھا حیرت ہے کہ

انہوں نے اور سب کچھ پڑھا مگر اسلام کو نہ پڑھا ورنہ ان کا قلب یوں شک وشبہ اور اضطراب کا شکار نہ ہوتا ۔مومن اطمینان قلب اور راحت ضمیر کے ساتھ اپنی منزل مقصود کو جاتا ہے ۔وہ یوں حیرت وشک کا شکار نہیں ہوتا ۔اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خالق نے اس کو عبث پیدا نہیں کیا۔ اسلامی تعلیم بتاتی ہے کہ اسے برزخ کی منزل طے کرنے کے بعد آخرت کی منزل میں داخل ہونا ہے ۔مومن "**عمر**" کا کپڑا اللہ خالق کائنات کی تقدیر وتدبیر سے پہنتا ہے اور اسی سے اس کو اتارے گا جس ہاتھ نے اس کو عمر کا لباس پہنایا ہے وہ انسان پر بہت رحیم وکریم ہے۔ کسی اور سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں، اللہ قادر وکریم اور حکیم وعلیم کا ہاتھ اسے مشورہ دینے کے لئے کافی ہے خالق نے اس کو یہ لباسِ زندگی ایک مقصد وغایت کے لئے پہنایا ہے پس ایک مرد مومن کو معلوم ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانے والا ہے اور وہ عمر خیام کی مانند مختلف افکار میں حیرت اور اضطراب کا شکار نہیں ہے ۔لہذا وہ زندگی کا مرحلہ بڑے وثوق واطمینان اور راحت قلب وضمیر کے ساتھ طے کرتا ہے ارتقائے ایمانی اس کو راحت ومسرت اور وثوق و یقین عطا کرتا ہے ۔ اسلئے وہ حیرت اور اضطراب کا شکار نہیں ہوتا ۔

اللہ تعالی نے اپنے کریم سائے کی طرف میرا ہاتھ پکڑ کر میری دستگیری فرمائی ہے اس وقت کی حالت کو میں نے بیان کیا ہے کہ " کائنات حیران ہے کہ اس کی منزل کیا ہے اور وہ کہاں جارہی ہے، کیونکہ اور کسی مقصد کے لئے جارہی ہے؟ اس کا یہ فعل عبث ہے، ضائع ہے، باعث نقصان عظیم ہے اور اس کا انجام بالکل تاریکی ہے جس سے وہ راضی نہیں ہے" مگر میں آج الحمدللہ جانتا ہوں کہ میری جدوجہد عبث نہیں ہے ۔جزا وسزا برحق ہے ۔کوئی مشقت بیکار نہیں، ہر مشقت کا پھل ہے، اچھا یا برا مگر ہے ضرور ۔روحِ کائنات مومن ہے اس کا اپنے رب پر ایمان ہے وہ اس کی تسبیح وتمجید پڑھتی ہے ۔اور اللہ تعالی کے مقرر کردہ ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق چل رہی ہے یہ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ عالم شعور اور عالم فکر ونظر میں ایک عظیم کامیابی ہے اور اس سے علم وعمل کے لئے فوز وفلاح کی راہیں کھلتی ہیں ۔جن کا نتیجہ مسرت وفرحت اور اطمینان وراحت ہے ۔

## ایمان ایک قوت محرکہ کا نام ہے:

ایک موثر اور دھکیلنے والی قوت مومن کو نشاط علم وعمل پر آمادہ کرتی ہے۔ اسی قوت کا نام ایمان ہے ۔جمود اور بے عملی ایمان کے منافی ہے ۔ جب ایمان کی حقیقت دل میں جا گزیں ہوجاتی ہےتو وہ اس کو عمل پر اکساتی ہےتا کہ وہ اقتعاتی اورعملی زندگی میں اپنا فرض ادا کرے۔

دنیا میں عقیدے کے عملی معجزات ماضی میں اور حال میں بہت سے ہوئے ہیں اور مستقبل میں بھی ہونگے ان معجزات نے دنیا میں انقلاب برپا کئے ہیں ۔دراصل عقیدہ انسان کی جان میں ایک عظیم قوت پیدا کردیتا ہے۔اس قوت کے باعث نفس انسانی بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔عقیدہ فرد اور جماعت کو حیرت انگیز قربانیوں پر آمادہ کردیتا ہے عقیدے کے زور سے دنیا کی فانی زندگی آخرت کی باقی زندگی کی کامیابی میں بدل جاتی ہے ۔ عقیدہ انسان کو حکومت ، مال و دولت، لوہے اور آگ کی قوتوں کے آگے کھڑا کردیتا ہے اور عقیدے کی طاقت ان تمام قوتوں کو شکست دے دیتی ہے اور ان پر غالب آجاتی ہے ۔یہ فتح ایک فانی فرد کی نہیں ہوتی بلکہ ایک باقی اور قائم ودائم عقیدے کی ہوتی ہے"

"دینی عقیدہ جو معجزات دکھاتا ہے اور فرد اور جماعتوں کی زندگی میں انقلاب عظیم برپا کردیتا ہے ۔یہ کسی پوشیدہ خرافات یا اوہام یا خوابوں کی دُنیا کا معاملہ نہیں ہے عقیدے کا یہ اثر چند محسوس اسباب اور چند ثابت شدہ قواعد وضوابط پر ہوتا ہے دراصل دینی عقیدہ ایک کلی فکر کا نام ہے جوانسان کو چند ظاہری اور باطنی کائناتی قوتوں کے ساتھ مربوط کرتا ہے اور اس کی روح میں وثوق ویقین اور اطمینان وراحت بھر دیتا ہے ۔ان کے باعث اس کو نصرت الٰہی پر یقین ہو جاتا ہے فتح پر بھروسہ ہو جاتا ہے اور اللہ پر وثوق کی قوت اس میں سرایت کر جاتی ہے عقیدہ فرد کو کھول کر بتاتا ہے کہ اس کا تعلق اپنے اردگرد کی کائنات کے ساتھ کیا ہے اس کے ماحول کی چیزوں اور حوادث سے اس کا کیا تعلق ہے اس کی غرض وغایت اور منزل کیا ہے ؟ عقیدہ اس کی تمام قوتوں کو مجتمع

کر دیتا ہے اس میں ایک تاثیر پیدا کرتا ہے اس کو ہدف اور مقصد عطا کرتا ہے اور اس کے لیے قربانی کرنے کی اُمنگ پیدا کرتا ہے اس کی مختلف قوتوں کو ایک جگہ مجتمع کر کے ان کو ساتھ لے کر چلنے کی ہمت اس میں پیدا کرتا ہے ایسا شخص باطل سے نہیں گھبراتا اور برائی کی قوتوں سے نہیں ڈرتا خواہ وہ قوتیں کس قدر ہوں اور کتنی طاقت ور ہوں۔

## ایمانی عقیدے اور کائنات کا ربط و تعلق:

عقیدے میں اس وجہ سے بھی زور پیدا ہو جاتا ہے کہ اسکی رفتار بھی اسی سیدھی راہ پر ہے جس پر سارا وجود کائنات رواں دواں ہے ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی کائنات کی ساری قوتوں میں ایمانی طاقت کارفرما ہے جو تقاضا ایمان کا ہے یعنی اطاعت واتباع وہی تقاضا کائنات کی ساری قوتیں پورا کرتی ہیں اور جب مومن ایمان کے تقاضے پر عمل کرے تو وہ وجود کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے دونوں کا مقصد ایک ہو جاتا ہے جہت عمل ایک ہو جاتی ہے پس غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کس قدر سچا ہے کہ یہ لوگ تجھ پر احسان دھرتے ہیں کہ یہ اسلام لائے ہیں تو کہہ کہ مجھ پر اپنے ایمان کا احسان مت جتاؤ بلکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے اگر تم سچے ہو۔

جس شخص کو وجود کائنات کی قوتوں اور اعمال وافعال کے ساتھ ہم آہنگی مل جائے اس کا کیا گم ہوا؟ بلکہ اس نے تو سب کچھ پالیا۔ اور جس نے حقائق کائنات سے دُوری اختیار کر لی اس کو کیا ملا؟ اس نے ہر چیز کو مفقود کر دیا۔ خواہ ڈھور ڈنگروں کی مانند اس کو کھانے پینے اور عیش وعشرت کا مادی ساز و سامان مل بھی جائے عارضی اور مادی سامان دراصل کچھ نہیں ہے۔

# قرآن

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ ایک منزل من اللہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی ہدایت و رہنمائی کیلئے اپنے محبوب اور عزیز ترین بندے اور رسول جناب احمد مصطفٰے محمد مجتبیٰ ﷺ پر جبریل امین کے ذریعہ نازل فرمایا۔ یہ کتاب مبارک جیسی کہ سرورِ دو عالم ﷺ پر اُتری تھی آج تک بغیر ایک حرف یا زیر و زبر کی کمی بیشی کے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اِس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اِس کتاب میں کیا ہے؟ اِس میں کیا نہیں؟ ہر وہ چیز جس کی ایک انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کیلئے ضرورت پڑ سکتی ہے اِس میں موجود ہے۔ یہ نوعِ انسان کی زندگی بسر کرنے کے وہ طریقے بتاتی ہے کہ اگر ان پر کماحقہٗ عمل کیا جائے تو سارے کرہ ارض پر وہ عالمگیر امن و امان قائم ہو جائے جس کی تلاش میں اہلِ دنیا شاید دنیا کی پیدائش سے آج تک سرگرداں و پریشان ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن برائی اور بھلائی کی حدود مقرر کرتا اور اِن میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ پھر کہتا ہے برائیوں سے بچو کہ اِن سے تم کو بالآخر تکلیف پہنچے گی اور بھلائیوں کو اختیار کرو کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے راحت و اطمینان کا باعث ہوں گی۔ پھر وہ انسانوں کے اِن تمام حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے جو متمدن زندگی کی وجہ سے ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں اور اِن پر عمل کرنے کے طریق سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کے تمام علوم اپنی گود میں لئے ہوئے ہے۔ صحت و صفائی سے لے کر معیشت، معاشرت، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، اقتصادیات، معاملات، اخلاق و آداب، سائنس اور فلسفہ و حکمت تک کونسی شے ہے جو اِس میں موجود نہیں۔

قرآن سستی، کاہلی اور بیکاری کی مذمت اور کسبِ معاش کیلئے عمل و محنت کی تلقین کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اِس زمین کی وسعتوں میں پھیل جاؤ اور رزق و دولت تلاش کرو۔ وہ پکارتا ہے کہ سمندر کے سینوں کو اپنے جہازوں اور کشتیوں سے چیر ڈالو اور غیر ملکوں سے تجارت کرو۔ سمندر کی تہوں

میں اُتر جاؤاور لولوومرجان سے اپنے خزانے بھر کر فارغ البال ہو جاؤ۔قرآن صرف دولت مند بننے ہی کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ جہانگیری و جہاں بانی کا حکم دیتا اور اس کے اصول وطریقے بھی بتاتا ہے۔قرآن میں کھانے پینے، ملنے جلنے اور بولنے چالنے کے معمولی آداب وقواعد سے لیکر نکاح، بیاہ، طلاق، وراثت، خیرات، زکوٰۃ، عدالتی انصاف، دیوانی، فوجداری، جدال وقتال اور حرب وضرب تک سبھی کے متعلق احکام وقوانین موجود ہیں۔علم ادب کے لحاظ سے بھی یہ بے نظیر کتاب ہے۔اِس کی فصاحت و بلاغت ساری دنیا کے نزدیک مسلّم اور بے مثال ہے۔عرب ممالک کے مکاتب ومدارس اور خصوصاً مصر کے جامع ازہر میں تو قرآن ہی تمام عربی علم وادب کے نصاب کی اساس وبنیاد ہے۔قرآن میں تاریخی قصص اور حکایات وواقعات بھی ہیں جن سے بیش قیمت تاریخی معلومات اور بے انتہا عبرت ونصیحت حاصل ہوتی ہے۔

علم و دانش کی اِن تمام باتوں کے علاوہ قرآن میں وہ سب کچھ بھی ہے جس کی ضرورت انسانی اجسام کو اتنی نہیں جتنی اس کے ذہن وعقل اور روح کو ہوتی ہے۔اِس صحیفہ میں حسن ورعنائی کی کیف آور تجلیاں ہی نظر نہیں آتیں بلکہ عشق ومحبت کے جنوں پرور نسخے بھی ملتے ہیں۔اِس میں یہ بھی ہے کہ انسان پیدا ہونے سے پہلے کیا تھا، کہاں تھا؟ کن کن منازل ومراحل سے گزر کر وہ اِس مادی پیکر میں ملبوس ومتشکل ہوا، یہاں وہ کس غرض سے بھیجا گیا ہے۔مرنے کے بعد اِس کو کہاں جانا ہے، کس راستے سے جانا ہے۔کن کن طبقات ومقامات سے کس طرح گزرنا ہے، روح، عقل، نفس، عدم ووجود، دوزخ، جنت، فرشتے، عرش وکرسی کیا ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب کا بنانے والا کون ہے؟ کیسا ہے، کہاں ہے؟ اور اس کی معرفت ولقاء کس طرح میسر آسکتی ہے؟ دیکھنے والی آنکھ، جستجو کرنے والا دماغ اور آتش شوق سے تڑپتا ہوا دل ہو تو قرآن سے کیا نہیں مل سکتا؟ جو لوگ اِس کے اسرار میں تفکر سے کام لیتے اور عمل کرتے ہیں، اپنی مُراد پاتے اور طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔جو صرف لفظی کرشمہ سازیوں کی تحقیق میں مصروف رہتے ہیں، جو بے معنی ومطلب سمجھے صرف زبانی تلاوت وترتیل میں عمر گزار دیتے ہیں وہ بھی نامراد نہیں

ہوتے ،کم از کم اِن کی ذہنی و روحانی تسکین ہی ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن میں سب ہی کچھ ہے ۔ہاں نہیں ہے تو ایک چیز ۔آپ حیران ہوں گے کہ وہ کیا ہے؟ لو سنو! قرآن میں، ہاں اِسی قرآن میں جس میں سب کچھ ہے یہ کہیں نہیں لکھا کہ اگر ایک مسلمان ملک پر کسی غیر مسلم قوم کا قبضہ ہو جائے اور مسلمان محکوم و غلام بن جائیں تو اِس صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے ۔بے شک قرآن میں محکومی اور غلامی کی زندگی بسر کرنے کے قاعدے کہیں نہیں بتائے گئے ۔لیکن یہ قرآن کا نقص نہیں ہے، یہ اِس کی خامی اور کمی نہیں، یہ تو اِس کی تعلیم کے قطعی، آخری اور مکمل ہونے کا عین ثبوت ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف عزت و اقتدار اور آزادی و حاکمیت کی تعلیم دیتا ہے ۔جو قومیں اِس کی تعلیم پر چلیں گی معزز،مقتدر آزاد اور حاکم رہیں گی ،محکومی اور غلامی کی زندگی سے انہیں واسطہ ہی نہ پڑے گا ۔البتہ جو لوگ اِس کی تعلیم سے روگردانی اور سرتابی کریں گے وہ محکوم اور غلام ہو جائیں گے اور اِس صورت میں قرآنی تعلیم یا اِس کو نازل کرنے والے پر اِن کی غلامی و محکومی اور ذلت و تباہی کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی ۔

الغرض یہ ہے قرآن اور اِس کی تعلیم جس پر عمل کر کے قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے دنیا پر حکمرانی کی ۔جب تک پچاس فیصدی مسلمان بھی اِس تعلیم پر عمل کرتے رہے انہیں دنیا کی سیادت حاصل رہی، لیکن جب ان کی اکثریت نے غیر قرآنی عقائد کی پیروی شروع کی وہ رسوا اور ذلیل ہو گئے ۔اِس پر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ آج دنیا کے بہت سے ملکوں میں اِن کی اپنی حکومت ہے اور یہ ملک خواہ کتنے ہی کمزور اور دوسروں کے دست نگر ہوں، داخلی اعتبار سے یہ قدرت ضرور رکھتے ہیں کہ چاہیں تو قرآن پر عمل شروع کر کے پھر اپنا وہی مقام حاصل کریں جس پر اغیار نے قبضہ کر لیا ہے ۔

# روشنی اور رحمت کی طرف

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب)

ہر انسان کے اندر اس کی وہی روح کارفرما ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ تسلیم کر چکی ہے۔اس کا تعلق مادے سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔اس کی سرشت میں اللہ تعالیٰ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔گویا ہر انسان کے اندر اللہ کی محبت کا ازلی چراغ روشن ہے لیکن مادّی وجود کی وجہ سے اس جوہر لطیف کے گرد طرح طرح کی کثافتیں لپٹی ہوئی ہیں۔اس دنیا میں آ کر جوں جوں انسانی جسم پھلتا پھولتا اور اس کے حواس ترقی کرتے ہیں اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو خواہشات بھی بڑھتی اور پھر بڑھتی چلی جاتی ہیں اور لامحدود ہو جاتی ہیں۔اگر انسان اللہ تعالیٰ کو بھول کر ان کی پیروی میں لگ جائے،قناعت اور توکل کو چھوڑ کر مادی آسائشوں کے سمیٹنے کی دلدل میں پھنس جائے تو پھر اس کی ہوس اسے "زیادہ سے زیادہ اور سب سے زیادہ" کے سراب کے پیچھے بھٹکاتی پھرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی حرماں نصیبی کی اس داستان کو دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ **اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُر** "کثرت کی جستجو نے ہی تجھے بھٹکا دیا ہے"۔اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد و پیمان اور اس کی طرف سے بھیجے گئے ہدایت کے سامان کے باوجود کفر و ایمان کے راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب انسان کی اپنی صوابدید پر ہے۔وہ چاہے تو اپنے رب کی محبت اور اطاعت کی راہ اختیار کر کے مادی کثافتوں اور متعلقہ اندھیروں سے نکل کر حریم کبریا کی طرف محو پرواز ہو جائے اور چاہے تو اپنے محبوب حقیقی کو بھول کر مادی لذات اور نفسانی خواہشات کے اندھیروں میں گم ہوتا چلا جائے۔

**فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا** (الشمس۔ 8تا10)

"پھر اسے بدکاری اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔جس نے روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا"۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا ہر جزو اس ہدف کے حصول کیلئے وضع کیا گیا ہے کہ انسان دنیا و مافیہا کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور اس کے اندھیروں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرض عبادات علائق دنیا کی محبت کو توڑنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے کے پر از حکمت اور بہترین ذرائع ہیں۔ شریعت میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ کو غذا فراہم کرتے، دل کی سیاہی کو دھوتے اور اللہ کے قریب کرتے ہیں اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے، قلب کو سیاہ کرتے اور اللہ سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ جو اعمال اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دور کرنے والے ہیں وہ کبیرہ گناہ کہلاتے ہیں اور باقی صغیرہ۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ ثواب و گناہ کا پیمانہ روح کی لطافت اور کثافت ہی ہے۔ آپ اس نکتہ نظر سے احکام شریعت پر جتنا غور فرمائیں گے یہ حقیقت روشن ہوتی چلی جائے گی کہ پورا نظام ہی انسان کو ازل میں کئے گئے عہد و پیمان پر قائم رکھنے کیلئے ترتیب دیا گیا ہے تا کہ وہ صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اپنے مقام محمود تک پہنچ جائے۔

شریعت کے تمام احکام تمہیں تقویت پہنچانے اور اللہ کی راہ میں استقامت بخشنے کے اسباب ہیں بشرطیکہ تیرا اسلام زبانی کلامی اور رسمی نہ ہو بلکہ پختہ و پائیدار ہو اور تو اللہ کی محبت کا سچا طلبگار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی دین کا مقصود اور عبادات کی روح رواں ہے۔ جب سے یہ حقیقت نظر سے اُوجھل ہوئی اور ہم اصلی کی بجائے نسلی مسلمان بن گئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق و شوق ہماری عبادات سے رُخصت ہو گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد افراط و تفریط کا شکار ہو کر جادہ حق سے ہٹ گئے ہیں اور من حیث القوم ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی ملت اسلامیہ کی شیرازہ بند قوت ہے۔ وحدت افکار و کردار سے ملی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جب عشق کی آگ بجھی تو یہ اُمت جو ایک شعلہ جوالہ تھی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ اسلامی شعائر کا ظاہری ڈھانچہ اور اس کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، قربانی و

حج تو سب باقی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے مال اور جانیں فروخت کر دینے والی قوم اور حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے خلق عظیم کی حامل خیر الامت باقی نہیں رہی ۔ دین کی اصل حقیقت آنکھوں سے اوجھل کر دینے اور فروعات کو دین بنا دینے کی وجہ سے ہی فرقہ پرستی نے جنم لیا ہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور رفلاح آدمیت کے علمبردار مسلمانوں کے ہاتھ آج اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور ہم خود ہی اسلام کی رسوائی کا باعث بن کر اللہ رحیم و کریم کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہم السلام انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات مٹانے، تفرقے ختم کرنے اور خون ریزی روکنے کیلئے بھیجے تا کہ وہ زندگی کے اصل مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے متحد ہو جائیں ۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے فرمان **اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ** دین تو خیر خواہی کا نام ہے جس میں انسانوں کو پیار بھری نصیحتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے دعوت دی جاتی ہے ۔ اس میں ظالموں کا خاتمہ اور بے کسوں کی دستگیری ہے ۔ اس میں مخلوق خدا کی خدمت اور بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا ہے ۔ جس دین میں جبر کیلئے کوئی جگہ نہ ہو ۔ جس میں کسی بھی انسان کو برے القاب سے پکارنے اور اس کی دل آزاری سے روک دیا گیا ہو ۔ جس میں باطل مذاہب کے جھوٹے خداؤں اور بتوں کو بھی گالی دینے سے منع کیا گیا ہو، اس سراپا رحمت دین میں عداوت و نفرت اور بد زبانی کیونکر جگہ پا سکتی ہے ۔ یہ ساری خرابیاں قرآن و سنت سے ہٹ کر گھڑے گئے عقیدوں، مسلک پرستی اور شخصیت پرستی کے شاخسانے ہیں ۔ دین اسلام کا تو ہر پہلو رحمت و رافت کا مظہر اور ہر حکم اللہ تعالیٰ، اس کے پیارے رسول ﷺ اور اس کی پیاری مخلوق کی محبت کا داعی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی دعوت بھی نوری ہے اور نور کے ذریعے نور کی طرف ہی راہنمائی کرتی ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب بن کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں ۔

**قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ o يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o** (المائدۃ 15 ۔ 16)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نوراور روشن کتاب آ چکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے''۔

دوسری طرف ایک ناری دعوت بھی موجود ہے جو نار سے پیدا کئے گئے شیطان کی طرف سے ہے اور نار جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

یَآ یُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ o اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِo (فاطر۔5تا6)

''لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں''۔

دنیا کی زندگی کے دھوکے اور مادی لذتوں کے اندھیرے نہایت خطرناک اور سخت بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں اسی لئے ان سے بچنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔انسان کی تخلیق کے موقع پر ملائکہ نے صرف مادے کے ظلمات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں خون ریزی اور فساد برپا کریگا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو اپنی محبت کا شوق اور بندگی کا ذوق ودیعت فرمایا تھا اس کی بناء پر فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ثابت ہوئی ہیں۔جو انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑ کر مادی خواہشات کے اندھیروں کے قیدی بن گئے انہوں نے یہاں خوب فساد مچایا اور خون بہایا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہدو پیان کے مطابق اطاعت و محبت والی زندگی بسر کی وہ مخلوق خدا کیلئے سراپا رحمت بن کر کامیاب ہو گئے۔اللہ تعالیٰ کا دین اہل ایمان کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر رحمت و رافت اور محبت و شفقت کے عملی نمونے بنانا چاہتا ہے۔ایسا کیوں نہ ہو کہ دین کا سارا نظام ہی

رحمت پر استوار ہے۔قرآنِ کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام۔54) تمہارے رب نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء۔107)

اور ہم نے آپ کو سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''اور یہ بھی آپ ہی کی شان میں ارشاد ہوا۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ۔128)

''وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں''۔آپ پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل کی اس کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (بنی اسرائیل۔82)

''اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے''اور رحمت کے اس نظام میں داخل ہونے والے مومنین کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح۔29)

''وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں''۔حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وُہ اپنی مخلوق کے ساتھ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور آپ ﷺ نے اہلِ ایمان کو ارشاد فرمایا کہ تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مومن نہ بنو اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو ۔یہ ہے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اسلام کا مزاج اور اس کا رنگ۔اب بتایئے کہ دینِ رحمت کے گلشن کی پیار بھری فضاؤں میں غصہ ونفرت، بغض وعداوت، جبر وظلم، بدزبانی، گالی گلوچ، دل آزاری اور خون ریزی کے لئے کیا جگہ ہے؟ اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلقِ عظیم کا نمونہ بن کر اہلِ جہان کے لئے باعث رحمت بن جانا چاہئے۔

# باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام محمد سلیم

مورخہ 03-06-2003

الحمدللہ آپ کے معمولات اور ترقی کی رفتار بہت اچھی ہے نماز فجر کے فوراً بعد ذکر کریں ۔ذکر نفی اثبات اور پھر شجرہ پڑھیں ۔درود شریف 10 تسبیح روزانہ کرتے رہیں ۔ تہجد کے لئے اللہ تعالیٰ جب سہولت اور فرصت دے گا تو پڑھ لیں ۔نیند پوری نہ ہو تو مزاج چڑ چڑا ہو جاتا ہے اور غصہ بھی جلد آتا ہے جسے نفی کرنا بہت ضروری ہے تفسیر قرآن کی مجلس میں حاضری بڑی بابرکت بات ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور اپنے رنگ میں رنگ لے اور اخلاق محمدی ﷺ کا نمونہ بنادے آمین ۔

مرنے والے کے لئے ایصال ثواب کے عقیدہ کو تو ہم درست مانتے ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کھانا کپڑے وغیرہ مساکین کو دیے جائیں ۔ہم جو رسم کے طور پر مہمانوں کو اکٹھا کر کے دیگیں پکوا کر خود ہی کھاجاتے ہیں یہ نہیں پہنچتا ۔احادیث میں تو ایسی رسوم کا ذکر نہیں ہے اور عربوں میں اس کا رواج بھی نہیں ہے ۔صرف قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب بھی پہنچایا جائے تو عمدہ بات ہے ۔صدقہ کیلئے ترجیح حاجتمند کی ضرورت کو ملنی چاہیے بھوکے کو کھانا ،مریض کو دوا ،مساکین کو رقم دینا زیادہ بہتر ہے اور یہ تیسرے ساتویں دسویں یا چالیسویں وغیرہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے آپ جب چاہیں اپنے پیاروں کے نام تلاوت قرآن یا صدقات کے ذریعے ایصال ثواب کرسکتے ہیں ۔روحانی آسودگی کا سامان بھیج سکتے ہیں اسلئے موجودہ حالت میں حاجت مندوں کو بقدر رقم دے دینا ہی بہتر ہے تلاوت کا ثواب ہم اسطرح بھیجیں جیسا کہ ہم روزانہ ایصال ثواب کرتے ہیں ۔صدقہ جاریہ اور فلاح آدمیت کا کوئی کام ایصال ثواب کی نیت سے کرنا تو نہایت عمدہ بات ہے ۔

# صحت

(جاوید چوہدری)

میں نے کسی کتاب میں حضرت موسیٰ سے منسوب ایک واقعہ پڑھا، یہ واقعہ غیر مصدقہ ہے مگر یہ اس کے باوجود حیران کن بھی ہے اور دماغ کو گرفت میں بھی لے لیتا ہے، لکھنے والے نے لکھا حضرت موسیٰ نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے پوچھا "یا باری تعالیٰ انسان آپ کی نعمتوں میں کوئی ایک نعمت مانگے تو کیا مانگے ؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا" **صحت** "میں نے یہ واقعہ پڑھا تو گنگ ہو کر رہ گیا، صحت اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً بہت بڑا تحفہ ہے اور قدرت نے جتنی محبت اور منصوبہ بندی انسان کو صحت مند رکھنے کیلئے کی ہے اتنی شاید پوری کائنات بنانے کیلئے نہیں کی، ہمارے جسم کے اندر ایسے ایسے نظام موجود ہیں کہ ہم جب ان پر غور کرتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے، ہم میں سے ہر شخص ساڑھے چار ہزار بیماریاں ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ یہ بیماریاں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہیں، مگر ہماری قوت مدافعت ، ہمارے جسم کے نظام ان کی ہلاکت آفرینیوں کو کنٹرول کرتے رہتے ہیں، مثلاً ہمارا منہ روزانہ ایسے جراثیم پیدا کرتا ہے جو ہمارے دل کو کمزور کر دیتے ہیں مگر ہم جب تیز چلتے ہیں، جاگنگ کرتے ہیں یا واک کرتے ہیں تو ہمارا منہ کھل جاتا ہے، ہم تیز تیز سانس لیتے ہیں، یہ تیز تیز سانسیں ان جراثیم کو مار دیتی ہیں اور یوں ہمارا دل ان جراثیموں سے بچ جاتا ہے، مثلاً دنیا کا پہلا بائی پاس مئی 1960 میں ہوا مگر قدرت نے اس بائی پاس میں استعمال ہونے والی نالی لاکھوں، کروڑوں سال قبل ہماری پنڈلی میں رکھ دی، یہ نالی نہ ہوتی تو شاید دل کا بائی پاس ممکن نہ ہوتا، مثلاً گردوں کی ٹرانسپلانٹیشن 17 جون 1950 میں شروع ہوئی مگر قدرت نے کروڑوں سال قبل ہمارے دو گردوں کے درمیان ایسی جگہ رکھ دی جہاں تیسرا گردہ فٹ ہو جاتا ہے، ہماری پسلیوں میں انتہائی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہیں، یہ ہڈیاں ہمیشہ فالتو سمجھی جاتی تھیں مگر آج پتہ چلا دنیا میں چند ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں جن کے نرخرے جڑے ہوتے ہیں، یہ بچے اس عارضے کی وجہ سے اپنی گردن سیدھی نہیں کر سکتے ہیں نہ نگل سکتے ہیں اور نہ ہی عام بچوں کی طرح

بول سکتے ہیں، سرجنوں نے جب ان بچوں کے نرخروں اور پسلی کی فالتو ہڈیوں کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا پسلی کی یہ فالتو ہڈیاں اور نرخرے کی ہڈی ایک جیسی ہیں چنانچہ سرجنوں نے پسلی کی چھوٹی ہڈیاں کاٹ کر حلق میں فٹ کر دیں اور یوں یہ معذور بچے نارمل زندگی گزارنے لگے، مثلاً ہمارا جگر جسم کا واحد عضو ہے جو کٹنے کے بعد دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے، ہماری انگلی کٹ جائے، بازو الگ ہو جائے یا جسم کا کوئی دوسرا حصہ کٹ جائے تو دوبارہ نہیں اُگتا جبکہ جگر واحد عضو ہے جو کٹنے کے بعد دوبارہ اُگ جاتا ہے۔ جگر عضو رئیس ہے، اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں اور اس کی اس اہلیت کی وجہ سے یہ ٹرانسپلانٹ ہو سکتا ہے، آپ دوسروں کو جگر ڈونیٹ کر سکتے ہیں، یہ قدرت کے چند ایسے معجزے ہیں جو انسان کی عقل کو حیران کر دیتے ہیں جبکہ ہمارے بدن میں ایسے ہزاروں معجزے چھپے پڑے ہیں

ہم روزانہ سوتے ہیں، ہماری نیند موت کا ٹریلر ہوتی ہے، انسان کی اونگھ، نیند، گہری نیند، بے ہوشی اور موت پانچوں ایک ہی سلسلے کے مختلف مراحل ہیں، ہم جب گہری نیند میں جاتے ہیں تو ہمارے اور موت کے درمیان صرف بے ہوشی کا ایک مرحلہ رہ جاتا ہے، ہم روز صبح موت کی دہلیز سے واپس آتے ہیں مگر ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ صحت دنیا کی چند نعمتوں میں شمار ہوتی ہے یہ جب تک قائم رہتی ہے ہمیں اس کی قدر نہیں ہوتی مگر جوں ہی یہ ہمارا ساتھ چھوڑتی ہے، ہمیں فوراً احساس ہوتا ہے یہ ہماری دیگر تمام نعمتوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی، ہم اگر کسی دن میز پر بیٹھ جائیں اور سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کی انگلیوں تک صحت کا تخمینہ لگائیں تو ہمیں معلوم ہوگا ہم میں سے ہر شخص ارب پتی ہے، ہماری پلکوں میں چند مسل ہوتے ہیں، یہ مسل ہماری پلکوں کو اُٹھاتے اور گراتے ہیں، اگر یہ مسل جواب دے جائیں تو انسان پلکیں نہیں کھول سکتا، دنیا میں اس مرض کا کوئی علاج نہیں، دنیا کے 50 امیر ترین لوگ اس وقت اس مرض میں مبتلا ہیں اور یہ صرف اپنی پلک اُٹھانے کیلئے دنیا بھر کے سرجنوں اور ڈاکٹروں کو کروڑوں ڈالر دینے کیلئے تیار ہیں، ہمارے کانوں میں کبوتر کے آنسو کے برابر مائع ہوتا ہے، یہ پارے کی قسم کا ایک لیکوڈ ہے، ہم اس مائع کی وجہ سے سیدھا چلتے ہیں، یہ اگر ضائع ہو جائے تو ہم سمت کا تعین نہیں کر پاتے، ہم چلتے

ہوئے چیزوں سے الجھنا اور ٹکرانا شروع کر دیتے ہیں، دنیا کے سینکڑوں، ہزاروں اُمراء آنسو کے برابر اس قطرے کیلئے کروڑوں ڈالر دینے کیلئے تیار ہیں، لوگ صحت مند گردے کیلئے تیس چالیس لاکھ روپے دینے کیلئے تیار ہیں، تو آنکھوں کا قرنیا لاکھوں روپے میں بکتا ہے، دل کی قیمت لاکھوں کروڑوں میں چلی جاتی ہے، آپ کی ایڑی میں درد ہو تو آپ اس درد سے چھٹکارے کیلئے لاکھوں روپے دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں، دنیا کے لاکھوں امیر لوگ کمر درد کا شکار ہیں، گردن کے مہروں کی خرابی انسان کی زندگی کو اجیرن کر دیتی ہے، انگلیوں کے جوڑوں میں نمک جمع ہو جائے تو انسان موت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے، قبض اور بواسیر نے لاکھوں کروڑوں لوگوں کی مت ماردی ہے، دانت اور داڑھ کا درد راتوں کو بے چین بنا دیتا ہے، آدھے سر کا درد ہزاروں لوگوں کو پاگل بنا رہا ہے، شوگر، کولیسٹرول اور بلڈ پریشر کی ادویات بنانے والی کمپنیاں ہر سال اربوں ڈالر کماتی ہیں اور آپ اگر خدانخواستہ کسی جلدی مرض کا شکار ہو گئے ہیں تو آپ جیب میں لاکھوں روپے ڈال کر پھریں گے مگر آپ کو شفا نہیں ملے گی، منہ کی بدبو بظاہر معمولی مسئلہ ہے مگر لاکھوں لوگ ہر سال اس پر اربوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ ہمارا معدہ بعض اوقات کوئی خاص تیزاب پیدا نہیں کرتا اور ہم نعمتوں سے بھری اس دنیا میں بے نعمت ہو کر رہ جاتے ہیں، ہماری صحت اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے مگر ہم لوگ روز اس نعمت کی بے حرمتی کرتے ہیں، ہم اس عظیم مہربانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے، ہم روز اپنے بستر سے اٹھتے ہیں، ہم جو چاہتے ہیں وہ کھا لیتے ہیں اور یہ کھایا ہوا ہضم ہو جاتا ہے، ہم سیدھا چل سکتے ہیں، دوڑ لگا سکتے ہیں، جھک سکتے ہیں اور ہمارا دل، دماغ جگر اور گردے ٹھیک کام کر رہے ہیں، ہم آنکھوں سے دیکھ، کانوں سے سن، ہاتھوں سے چھو، ناک سے سونگھ اور منہ سے چکھ سکتے ہیں تو پھر ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل، اس کے کرم کے قرض دار ہیں اور ہمیں اس عظیم مہربانی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ صحت وہ نعمت ہے جو اگر چھن جائے تو ہم پوری دنیا کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ نعمت واپس نہیں لے سکتے، ہم اپنی ریڑھ کی ہڈی سیدھی نہیں کر سکتے۔ یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

# مجالس ذکر

(مرسلہ: فہد محمود)

ذکراللہ کی مجالس کاانعقادوقیام بہت مبارک کام ہےاورقرآن وحدیث میں ان کی ترغیب وتائیداوربہت سےفضائل بیان ہوئے ہیں ان مجالس کےچند فوائد یہ ہیں:۔

☆...... ذکر کی مجالس وہ باغ ہیں جن میں دلوں کی آبیاری ہوتی ہےاوریہ ایمانی وروحانی ترقی کاذریعہ بنتی ہیں۔

☆...... ان کی وجہ سےقلوب اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اورمتوجہ ہوتے ہیں۔

☆...... ان کی وجہ سےدوسرےلوگوں کوبھی ذکرالٰہی کی ترغیب ہوجاتی ہے۔

☆...... ان مجالس کی وجہ سےکم ہمت لوگوں کی ہمت بڑھ جاتی ہےاورذکرالٰہی پراستقامت نصیب ہوتی ہے۔

☆...... صاحب دل لوگوں کےذکراورروحانی لہروں سےغافل لوگوں کواللہ تعالیٰ کی یاداوردل کی بیداری حاصل ہوتی ہے۔

☆...... مجلس ذکرکےتمام ذاکرین سےجوقلبی نوراورمہک جمع ہوجاتی ہےوہ ہرایک شریکِ مجلس میں جگمگا اُٹھتی ہے،جس کی وجہ سےہرایک کوحسبِ استعداداورحسبِ اخلاص ذکرالٰہی میں رسوخ اورپختگی حاصل ہوتی ہے۔

☆...... ان مجالس پرروحانی اورنورانی فرشتوں کانزول ہوتاہےان کی روحانیت اورنورانیت سےیہ مجالس اورزیادہ پُرنوراوردلوں کےاطمینان وطمانیت کاسبب بنتی ہیں۔

☆...... مجالس ذکروہ روحانی حصاراورقلعے ہیں جن کےذریعےانسان نفس وشیطان کےوار سےبچ سکتاہے۔

☆...... مجالس ذکرسےاللہ تعالیٰ خوش ہوتاہےاورشرکائےمجلس کی بخشش فرماتاہےاوران کی برائیوں کونیکیوں سےبدل دیتاہے۔

☆...... مجالس ذکر جنت کے باغ ہیں۔ جو لوگ ان میں شریک ہوتے ہونگے وہ روز محشر موتیوں کے منبروں پر ہونگے اور ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا۔

## شیطان اور مجالس ذکر :

شیطان جو انسان کا بنیادی اور اصل دشمن ہے وہ ان مذکورہ فوائد کو دیکھ کر مجالس ذکر سے مغموم ہو جاتا ہے اور اسکی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مجالس ذکر اور ان حصاروں اور قلعوں کو ختم کیا جائے جن میں انسانیت کی حفاظت اور نجات اور فلاح ہے۔ مجالس ذکر کے حلقے اصلاً روحانی پاور ہاؤس ہیں جہاں سے اسلام کے سچے خادم، سرفروشان اسلام، اسلامی اخلاق سے آراستہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے تیار ہوتے ہیں۔ جو اسلام کی بقاء وحفاظت کیلئے مال وجان اور عزت کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس لئے شیطان اور اسکے چیلے ذکر الٰہی کے مراکز کو ختم کرنے کیلئے طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر حیلوں بہانوں سے ذکر اور مجالس ذکر کے متعلق شکوک پیدا کرتے ہیں تاکہ من گھڑت روایت کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہٹایا جائے۔ شیطان کی آنکھوں میں سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے وہ مجالس ذکر کے حلقے ہیں۔ بعض لوگوں نے اسلام دوستی کے رنگ میں یہ رویّہ اپنا رکھا ہے جن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دین اور ذکر اللہ کی طرف مائل ہیں ان کو طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے ذکر الٰہی اور مجالس ذکر سے روکتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ مختلف حیلوں اور بہانوں سے لوگوں کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں وہ بہت بڑے ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔" (سورۃ البقرہ-114)

## شیطان کا اصل ھدف لوگوں کو ذکر الٰھی سے روکنا ھے :

شیطان کا اصل ہدف یہی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روک دے اور ان

کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے، اس مقصد کیلئے وہ طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے وہ دنیا کی چیزوں اور حُبِ الشہوات کو مزین کر کے ان میں لوگوں کو پھنساتا ہے کھیل تماشے اور نشہ آور چیزیں بھی اس کے بہترین جال ہیں۔

**انسان کیلئے حفاظت کا قلعہ:**

اس میں شک نہیں کہ انسان کا اصل محافظ اللہ تعالیٰ اور اس کی یاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی وہ قلعہ ہے جس میں انسان شیطان کے حربوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو شخص اس سے محروم ہو جائے وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، بلا شبہ اسلام نے زندگی کی تمام رفعت وعظمت کو ذکر الٰہی کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہی انسان کو زندگی کی اصل حقیقتوں سے کبھی بے پرواہ نہیں ہونے دیتی۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی راہ حق سے بھٹک نہیں سکتا اگر کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اس کو سنبھال لیتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوا، اس کا دل ایک ویران جنگل بن جاتا ہے جس میں شیطان اپنا گھر بنالیتا ہے اور اس کو ہوائے نفس کی راہ پر لگا کر تباہ کر دیتا ہے۔

**مجالس ذکر کو فروغ دیجئے:**

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خود بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اسکے لئے مجالس ذکر کو فروغ دیں اور حلقہ ہائے ذکر کو غنیمت سمجھیں، جن سالکین میں اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہوتی ہے اور یاد الٰہی ترقی کرتی ہے وہ دوسرے لوگوں کو غفلت سے نکال کر ان کے دلوں کو یاد الٰہی سے معمور کریں۔ بندگان خدا میں مجالس ذکر کے ذریعے اللہ کا ذکر، یاد الٰہی کا شوق پیدا کیا جائے۔ ذکر اور مجالس ذکر کے ذریعے دلوں کی آبیاری ہوتی ہے اور ان کے ذریعے یاد الٰہی میں خوب ترقی ہوتی ہے اور ذکر الٰہی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: "اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسلمانوں کا شوق و ذوق کے ساتھ جمع ہو کر ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت وسکینت کو

کھینچتا ہے اور فرشتوں کے قریب کر دیتا ہے۔"

**مجالس ذکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے :**

حضرت سلمان فارسیؓ ایک ایسی جماعت میں موجود تھے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی، اتنے میں ان کے پاس سے نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا تو یہ حضرات خاموش ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کیے جاؤ میں نے رحمت دیکھی ہے کہ تم پر اتر رہی ہے اور میں نے اچھا سمجھا کہ آپ کی اس رحمت میں شرکت کروں۔(حیاۃالصحابہؓ جلد 3)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے اکٹھے ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہو تو آسمان سے ایک آواز دینے والا (فرشتہ) ندا دیتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری خطائیں نیکیوں سے بدل دی گئیں (رواہ احمد)

**ذکر** بنیاد ہے علم الٰہیات کے حصول کی۔ لف اللہ یعنی اسم ذات کا ذکر سانس کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ یہ ذکر پورے ذوق وشوق و پابندی سے کم از کم دو تین برس ضرور کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اللہ کی یاد دل میں مستقل ہو جائے اگر ایسا ہو جائے تو پھر لفظاً ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ جہر سے ہو تو بہت اچھا ہے۔ اس سے خون میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور دل و دماغ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ یوں کہیے کہ روزانہ بیٹری کو چارج کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو کم از پندرہ منٹ کر لینا کافی ہے۔

اقتباس از چراغ راہ صفحہ نمبر 219

# لطیفہ ہائے محبت

(شاہد زبیر)

"محبت یہ ہے کہ سارے ارادے مٹ جائیں۔تمام صفات وحاجات جل کر راکھ ہوجائیں اور محبوب کی یاد میں اپنے آپ کو غرق کردے"۔(ابراہیم خواصؒ)

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رابعہ بصریؒ عالم شوق اور اشتیاق میں بار بار سجدے میں سر رکھتیں اور پھر اُٹھ کھڑی ہوتیں۔آخر یہ کہا کہ اے پروردگار اگر میں دوزخ کے ڈر سے اور بہشت کی اُمید پر تیری عبادت کرتی ہوں تو بھی مجھے دوزخ میں جلانا اور اگر میں تیری خاطر عبادت کرتی ہوں تو اپنے جمال سے دریغ نہ کرنا۔گویا یہ محبت خداوند کریم کا خاص عطیہ ہے جس پر بندے کا اختیار نہیں۔رب کی ذات اور اس کے فضل وکرم سے بندہ اپنی محبت میں تقدم حاصل کرتا ہے اور اسی کی توفیق سے رابعہ کا مقام میسر آتا ہے یہ ایسی صفت ہے جو تعظیم کے اظہار میں ایک مسلمان (فرمانبردار) کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ایسا جذبہ ہے جس میں محبوب کی قربت کے سوا بے قراری اور بے چینی میسر آتی ہے آرام اُٹھ جاتا ہے۔تمام اذکار تمام دلچسپیاں اور مرغوبات ایک ہی غلبہ میں قیام کرتے ہیں طبیعت صرف محبوب کی طرف مائل رہتی ہے اس ذکر اور رغبت کے علاوہ طبیعت ہر جانب سے مغوض ہونے لگتی ہے دل تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے ایک مقناطیسی کشش محبوب کی طرف کھینچتی ہے کسی کے حسن وخوبی کی ایک جھلک کیلئے بے قراری طبع میں اس کا شوق اور تمنا کا ایک میلان شب وروز ایک ہی جانب مرکوز رہتا ہے فراق ایذا کا سبب بنتا ہے اپنی ہستی کو اس کی ہستی میں گم کرنے کا ایک پیہم جذبہ کارفرما ہوجاتا ہے یہی محبت کا کرشمہ ہے'' حُب'' اہل لغت کے نزدیک وہ گڑھا ہے جس میں بہت زیادہ پانی ہو اور اس میں نگاہ کا گزر ہو۔یہی حب ہے جو کسی طالب کے دل میں گھر کرتی ہے اور اس کے دل کو اپنے وجود سے بھر دیتی ہے پھر کسی چیز کی گنجائش نہیں رہتی،حُب دراصل دل کا درمیانی نقطہ ہے حضرت داتا گنج بخشؒ

فرماتے ہیں کہ جس طرح جسموں کا قیام روح کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح نقطہ دل کا قیام بھی محبت سے وابستہ ہے جب دل میں محبت ٹھکانہ کر لیتی ہے تو تمام وساوس سے نجات مل جاتی ہے تمام مصیبتیں دل پر آسان ہو جاتی ہیں۔ دل وہ آغوش محبت ہے جس میں لذت طاعت ہے اسی لذت طاعت سے ساری مناجات پیدا ہوتی ہیں۔ معرفت کے دروازے کھلتے ہیں اور عجز میں مزا آنے لگتا ہے پھر محبّ اور محبوب کی مناسبتیں قائم ہوتی ہیں جن سے محبت بھڑکتی ہے اور عشق کا درجہ پاتی ہے

انسان کی تخلیق کے وقت عشق و محبت کا جذبہ اس کی جبلت میں قائم کر دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو دنیا کی ساری نعمتیں رونقیں اور سجاوٹیں اس کی خوشی کی خاطر عطا فرمائیں۔ اپنی تخلیق پہ ناز کیا۔ وہ تمام ممکنہ آسائشیں جن کی بندہ تمنا کر سکتا تھا اس کو زمین پر اتارنے سے پہلے مہیا کر دیں اور کہا کہ یہ سب کچھ تیرے لئے ہے کیونکہ تو میری تخلیق اور محبت ہے پھر یہ بتایا کہ یہ کائنات تو تیرے لئے ہے لیکن تجھے میں نے خالصتاً اپنے لئے خلق کیا اسی طرح انسان کو محبّ اور محبوب دونوں درجوں پر فائز کیا پھر فرمایا۔

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں سب سے مضبوط ہیں''

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اپنے رب کی محبت میں سرشار رہتے ہیں یہ محبت کشش ثقل کا درجہ رکھتی ہے اور جو اللہ کی محبت سے آشنا ہو جاتا ہے اس کو پھر دنیا کی طلب نہیں ہوتی وہ اس دنیا سے خود کو فارغ کر لیتا ہے۔

محبت کے تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ ہم پر کوئی احسان کرے اور اس جذبہ احسان سے متاثر ہو کر احسان کرنیوالے کے عمل کی وجہ سے اس سے محبت ہو، دوسری صورت محبت کی یہ ہے کہ کوئی بہت ہی حسین وجمیل ہو اور اس کے حسن سے دل مبہوت ہو جائے۔ اس کے بغیر قرار نہ رہے اور اس کے دیدار پر دل بے قرار رہنے لگے تو بھی محبت کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ محبوب میں کوئی ایسا کمال پایا جاتا ہو جو دل اور دماغ کو جکڑ لے اور تصور اس کے کمال سے باہر نہ جا سکے۔ ایسے تینوں انعام حسن وجمال اور فضل وکمال کی اعلیٰ درجات

بیک وقت ایک ہی ذات میں مرکوز ہیں اور وہ خالق حقیقی کی ذات ہے بعض کم فہم یہ کہتے ہیں کہ محبت صرف اپنے ہم جنس کے ساتھ ممکن ہے ان کا فہم ازلی محبت کے ادراک سے عاجز ہے۔
یہ جاننا ضروری ہے کہ محبت کی دو اقسام ہیں ۔ایک محبت طبعی ہے جو خونی رشتہ کی وجہ سے کشش ثقل کی صورت قائم رہتی ہے دوسری محبت ارادی ہے جو کسی چیز یا خصوصی نفع کے حصول پر قائم ہوتی ہے اور یہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک غرض کی تسکین نہیں ہو جاتی۔خیر کی ملکیت تو صرف مالک کے ہاتھ میں ہے۔جس کی محبت ساری زنجیروں اور طلبوں سے آزاد کر دیتی ہے۔جس طرح بلالؓ کو جب عرب کی جلتی ریت پر لٹا کر گرم پتھر سینے پر رکھا جاتا تو ایک ہی آواز سنائی دیتی احد، احد، احد، ۔۔۔۔۔۔

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ لکھتے ہیں ۔

"جب محبت کسی دل میں ٹھکانہ بنالیتی ہے تو حضور و رغبت ، آزمائش و محبت ، راحت ولذت اور فراق و وصل کسی حالت میں متغیر نہیں ہوتی ۔"

محبت پیدا ہونے کی پہلی صورت یہ ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کرے۔پھر معرفت کا طلبگار رہے ۔جب یہ طلب قائم ہو جائے گی تو ''انس'' کی صورت نکل آئے گی اور جو اس کو جس قدر زیادہ جاننے لگے اس تک رسائی حاصل کرلے گا۔زندگی ایک مسلسل عذاب جدائی ہے اور موت وصل کی پہل ۔ جو موت سے کراہت کرتا ہے محبوب سے ملنے کا طلبگار نہیں ہے حسین بن منصورؒ تختہ دار پر وارد تھا کہ راہ محبت میں وجود کی موت حاصل الحصول کل ہے۔جس کے دل میں غیر کی محبت ہو وہ اپنے رب کی محبت کبھی حاصل نہیں کرسکتا۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا۔

''اے میرے اللہ تو جانتا ہے کہ تو نے مجھے اپنی محبت سے نوازا ہے اپنے ذکر سے مانوس کر دیا ہے اور اپنی عظمت میں غور و فکر کیلئے فارغ کر دیا ہے ان نعمتوں کے مقابلے میں میرے نزدیک جنت کا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی درجہ حاصل نہیں''

جب صاحب حال اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو دنیا کی نعمتوں ، آسائشوں اور

رنگینیوں کو ترک کر کے اپنا مقصود اس کی ذات کو بنا لیتے ہیں جو ان ساری تخلیقات و نوادرات سے برگزیدہ ہے وہ اس مقام پر بھی راضی نہیں ہوتے جو انعامات کی صورت وعدہ کی گئی ہیں وہ یہ زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اس کی ذات میں گم ہو کر ساری مخلوقات اور عالموں پر تصرف حاصل کر لیں۔ وہ محبوب کا کان، ہاتھ، پاؤں، اور ہر عمل بننا چاہتے ہیں اور کم تر پر قناعت پسند نہیں کرتے چنانچہ نفس کا مرنا ہی ان کے نزدیک زندگی ہے اور رب کریم کے ارشادات کے مطابق وہ اس منزل کے راہی ہیں کہ ''جن کو خدا سے محبت ہے خدا ان سے محبت کرتا ہے'' اور اس محبت کے سامنے ساری لذتیں اور انعام ہیچ ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کسی نے رسول خدا ﷺ سے یہ دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ پوچھنے لگے تم نے قیامت کیلئے کیا سامان کیا ہے۔ نادم ہو کر عرض کیا، میرے پاس، نمازوں اور روزوں اور صدقات خیرات کا تو ذخیرہ نہیں لیکن مجھے خدا اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے آپ نے فرمایا۔ ''جو انسان جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ رہے گا'' (مسلم) کہتے ہیں کہ اس روز صحابہ کرامؓ نے بڑی خوشی منائی۔

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ نے محبت کے چار مقام بیان کئے ہیں پہلا مقام گھر کا وہ کونہ ہے جس میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ دوسرا مقام مسجد ہے، تیسرے دنیا سے عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے جو قبرستان ہے اور چوتھا مقام وہ ہے جہاں سے کسی کا گزر نہ ہو اور اللہ کا ساتھ میسر آئے۔ ساری جگہیں ترک دنیا کی مثل ہیں یعنی سارا راز اس میں مضمر ہے کہ خلوت میں باری تعالیٰ کی ہم نشینی میسر آتی ہے۔ دنیا اور دنیاداری اس کی رکاوٹ ہیں۔ بایزید بسطامیؒ کہنے لگے کہ لوگ دنیا کا ذکر اس لئے زیادہ کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے دوست ہیں جب وہ اپنی محبوب (دنیا) کو کسی کے ہاتھ میں دیکھتے ہیں تو اس سے محبت کی زیادتی کی وجہ سے دن رات اس کا ذکر کرتے ہیں (اسرارالاولیاء) محبت کرنے والوں کے پاس دنیا، دنیاداروں اور اس کے جھمیلوں سے فرصت نہیں وہ ایک لحہ بھی ترک کر کے حضوری سے باہر آنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک کھانا پینا

بیٹھنا بھی محبت میں رخنہ ہیں۔

حق تعالیٰ کی محبت جب کسی کے دل میں قیام کرتی ہےتو پھر کسی اور چیز کو اجازت نہیں ہوتی کہ اس گزرگاہِ قلب سے گزرے۔ یہ محبت اسی درجہ پر فائز ہوتی ہے جس درجہ پر عابد کا ایمان قیام پذیر ہوتا ہے۔ جس درجہ ایمان ہو اسی درجہ کی محبت میسر آتی ہے جو رب کریم کے متعلق سن کر بے چین ہو جائے مضبوطی کے درجہ پر فائز ہے دوسرا درجہ ان کو میسر ہے جن کے دل اللہ کا نام اور ذکر سن کر ایک ولولہ اور جوش محسوس کرتے ہیں اور نافرمانیوں کو ترک کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور تیسرے اور اعلیٰ ترین درجہ محبت پر وہ فائز ہیں کہ جنہوں نے تمام سامان نافرمانی ترک کر دیا ہے پختہ عہد پر قائم ہوئے ہیں کہ اب اس کی محبت اور حکم سے باہر نہیں جائیں گے یہی میلان محبت عشق کی وادی میں لے جاتا ہے ساری محبت رضا پر قائم ہے۔ حضرت بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں

''محبت میں رضا کا مطلب ہے کہ اگر اس کے دائیں ہاتھ پر دوزخ رکھ دیں تو یہ نہ کہے کہ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہئے۔ بارضا محبّ، روئے زمین پر اللہ کے امین ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کیلئے محبت ہیں انہی کی برکت سے بلائیں ٹلتی ہیں''

گویا عارف وہی ہے جو دو جہانوں سے تعلق ختم کر کے ''فردانیت'' کے مقام پر پہنچے انہی پر رب کریم ناز کرتا ہے انہی کا ذکر وہ فرشتوں کی محفلوں میں فخریہ بیان کرتا ہے کہتا ہے۔

<u>''دیکھو یہ لوگ باوجود یکہ نفس ان کے ساتھ ہے۔ شیطان ان پر مسلط ہے۔ شہوتیں ان میں موجود ہیں دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہیں۔ ان سب کے باوجود انکے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔''</u>

(بشکریہ! روزنامہ جنگ۔ 4 مئی 2001)

# شیطان

(سلطان بشیر محمود)

شیطان کا اصل نام ابلیس ہے اور یہ شرّ کی سب سے بڑی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے ۔وہ انسان سے حسد کرتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گرا دے تا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی جنت میں واپس نہ جا سکے۔

شیطان کی انسان دشمنی کا آغاز حضرت آدمؑ کی تخلیق سے ہوا ۔اس وقت وہ تمام جنّات کا سردار تھا اور مقرب فرشتوں کے ساتھ جنت میں رہتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف خلافت بخشا اور علم دے کر اسکی فضیلت ثابت کر دی تو شیطان نے انسان سے حسد کرنا شروع کر دیا۔اس وقت سے اس کی اور اسکے ساتھیوں کی یہی کوشش ہے کہ کسی طرح انسان کو اس کے عملی اور روحانی مقام سے گرا دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ذلیل ہو جائے ۔اور ان کے ساتھ ساتھ وہ بھی جہنم میں جائے ۔قرآن حکیم بار بار انسان کو شیطان کے ان عزائم سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ اس کے مکر و فریب حسد و بغض سے بچ جائے اور جس طرح زمین پر وہ بزرگ مخلوق ہے آخرت میں بھی اپنے اس مقام کو قائم رکھ سکے ۔**سورہ الزخرف** میں ارشاد ہے کہ "شیطان انسان کے نفس پر ایک خول کی مانند اپنا گھر بنا لیتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے انڈے کی زردی اور سفیدی کے اوپر خول ہوتا ہے اس طرح شیطان نفس پر ہدایت کا نور نہیں پہنچنے دیتا ۔البتہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر (کاموں) میں لگے رہتے ہیں شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ارشاد ہے کہ۔ (ترجمہ) اور جو بھی رحمٰن کے ذکر سے غفلت برتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے ۔اور بدیں وجہ وہ شیاطین ان کو راہِ راست سے روکتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں ۔(سورۃ الزخرف آیات 37-36)

## شیطانی نظام اور شیطانی قوتیں

شیطان جس نظام کیلئے کام کرتا ہے وہ شرک اور ظلم کی قوتوں کا نظام ہے جیسے پہلے بھی کہا گیا ہے کہ اس نظام کا سربراہ اعلیٰ تو ابلیس ہے وہی ابلیس جس نے حضرت آدمؑ کو جنت میں بہکایا تھا لیکن اس کے نیچے ایک بہت بڑی فوج ہے جس کے عہدہ دار جنات ہیں۔ اس کے ساتھ ایک گروہ انسانوں کا بھی ہے جو اس کیلئے کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ انسان کو نقصان دینے والی تمام دوسری قوتوں سے بھی کام لیتا ہے۔ اس لحاظ سے نقصان دہ جراثیم وائرس تک شیطان کے آلہ کار ہیں۔ حضور نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بخار کا باعث بھی شیطان ہے یعنی جراثیم وغیرہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ غرضیکہ فضاء کا چپہ چپہ شیطانی قوتوں کے انتشار سے بھرا پڑا ہے جن سے بچنا انسان کا کام ہے۔

انسانی معاشرہ کی طرح شیاطین میں بھی معاشرتی اونچ نیچ اور درجات ہیں۔ ان کے ہاں بھی کوئی حکمران ہے اور کوئی ماتحت جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ ابلیس ان کا مذہبی بادشاہ ہے اس کے نیچے اس کے ماننے والوں کی درجہ بدرجہ بہت بڑی تنظیم ہے اور یہ سب ایک مذہبی فریضہ کے طور پر اپنے حریف انسانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے بڑی چالاکی سے منصوبہ بندی کرتے ہیں اس منصوبہ بندی میں بنیادی یونٹ فرد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے" لوگوں نے پوچھا کہ "حضور ﷺ آپ کے ساتھ بھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ! البتہ میں نے اسے اپنے قابو میں کرلیا ہے" اس شیطان کا کام ہمارے نفوس میں دین کے متعلق شک وشبہات ڈالنا، نیکی کی بجائے برائی کو بہتر کرکے پیش کرنا خیالات میں انتشار پیدا کرنا ایسی تجاویز دینا جو ظاہراً بہت مرغوب اور طبیعت کو خوش کرنے والی ہوتی ہیں لیکن درحقیقت ہمارے قلوب کو دیمک کی طرح چاٹ کررکھ دیتی ہیں وغیرہ لیکن وہ ماسوائے ورغلانے اور وسوسے ڈالنے کے کچھ نہیں کرسکتا اور کسی بھی انسان کو برائی پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اگر آدمی اس کی بات مان لیتا ہے اس کے اشارے پر کام کرنے لگتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا۔

جہاں تک انسانی شکل میں شیاطین کا تعلق ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی فطرت میں اچھائی ختم ہوجاتی ہے اور وہ مکمل طور پر شیطان کی غلامی میں آجاتے ہیں اور اس کے آلہ کار بن کر دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں سورہ النّاس میں ان کو خنّاس کا نام دیا گیا ہے ان کا مقصد بھی لوگوں کے اذہان کو اپنے بد خیالات سے خراب کرنا ہوتا ہے چونکہ یہ شیطان کے گروہ میں شامل ہوتے ہیں اس لئے شیاطین اپنے ان انسانی ساتھیوں کی ہر وقت امداد کرتے رہتے ہیں اوران کی مدد سے یہ بد بخت دنیا میں خوب ترقی کرتے ہیں ۔بہت سے کفار،منافقین جن میں جوگی ،جادوگر وغیرہ بھی شامل ہیں ان میں سے بعض کو شیاطین غیب کی خبریں بھی دیتے ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنی غیب دانی کا سکہ جما کر معصوم لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں کئی ایک دھوکے باز پیرفقیر جوطرح طرح کی کرامتیں دکھاتے پھرتے ہیں انہی میں سے ہوتے ہیں جیسے پہلے کہا ہے کہ شیاطین میں شرّ کی سب قوتیں شامل ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے جراثیم اور دیگر وائرس بھی انہی میں سے ہیں ۔ان سب کے خلاف کام کرنا ہر اچھے انسان کا شیوہ ہے اور ان سے بچنے کی ہر کوشش انتہائی قابل قدر ہے ۔

## انسان کے ساتھی فرشتے اور ملکوتی قوتیں:

شیطان کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی دو محافظ فرشتوں سے مدد کی ہے جو اسکو اچھائی کی ترغیب دیتے ہیں لیکن وہ بھی انسان کو عمل پر مجبور نہیں کرسکتے شیاطین کا رول بھی ذہن میں وسوسے ڈالنے تک محدود ہے وہ انسان سے زبردستی بُرائی نہیں کرا سکتے ۔فرشتوں کے ذمہ یہ کام بھی ہے کہ جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ اس کو لکھتے رہتے ہیں یوں انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ لمحہ بہ لمحہ تیار ہوتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ۔(ترجمہ)
"اور وہی پوری قدرت رکھتا ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) یہاں تک کہ جب آجاتی ہے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کرلیتے ہیں اس کی روح ہمارے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے"(سورۃ الاانعام 61)۔

(ترجمہ) کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو پوشیدہ بات اور ان کے مشوروں کو نہیں سنتے یقیناً ہم اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کے لئے (ان کے اعمال کو) لکھتے رہتے ہیں (الزخرف 80)

انسان کے ساتھی فرشتے (Guardian Angels) وفات کے بعد اسکے نفس کی عالم برزخ میں بھی راہنمائی کرتے ہیں اگر وہ تکلیف میں ہے تو افسوس کرتے ہیں اور اسکی بہتری کیلئے دعا کرتے ہیں اگر وہ اپنے اچھے اعمال کے نتیجہ میں اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو یہ فرشتے اس پر خوش ہوتے ہیں اور مزید ترقیوں کیلئے دعا کرتے ہیں۔

اوپر دی گئی وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں اکیلا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دو مخلوقات اور بھی ہیں جن میں سے ایک شر کی قوتوں کو ہوا دیتی ہے اور دوسری خیر کی طرف حوصلہ افزائی کرتی ہے لیکن ہر حال میں آخری فیصلہ انسانی نفس کو خود ہی کرنا ہوتا ہے اس لئے وہی اس کے نتائج کا بھی ذمہ دار ہے اس کے ابدی مقام اور پہچان کا انحصار اس بات پر ہے کہ زندگی میں وہ شیطان کے اثرات میں رہا، یا اپنے فرشتوں کی بات مانتا رہا ہے۔

شیطانی نظام ایک بہت وسیع وعریض نظام ہے جس نے دنیا کے چپہ چپہ کو گھیرا ہوا ہے یہ سچ ہے لیکن اللہ تبارک وتعالٰی نے اس سے بھی بڑا ایک ملکوتی نظام قائم کیا ہے جس کا مقصد انسان کی مدد کرنا ہے اس میں شر کی شیطانی قوتوں کے بالمقابل انسان کے لئے نفع بخش قوتیں شامل ہیں سرور کائناتﷺ نے فرمایا کہ زمین اور فضاء کے چپہ چپہ پر ستر ستر ہزار فرشتے ہیں مطلب یہ کہ ملکوتی قوتوں کا بھی شمار کرنا مشکل ہے یوں شر اور خیر دونوں قوتیں اللہ تعالٰی نے ساتھ ساتھ کھڑی کر دی ہیں مثلاً اگر اللہ تعالٰی نے انسان کے دشمن کیڑے پیدا کئے ہیں تو ان کے مقابلے میں انسان دوست کیڑے بھی پیدا کر دیئے ہیں اس طرح اللہ تعالٰی نے انسان کو خیر وشر کی قوتوں میں کھڑا کر دیا ہے تا کہ اس کی ہر طرح سے آزمائش مکمل ہو سکے۔ اب یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورا اترنے کیلئے خیر کی قوتوں کا ساتھ دیتا ہے اور شر کی قوتوں کی بیخ کنی کرتا ہے یا شر کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے۔

## بیادِ سید عاشق حسنین مرتضٰی بخاریؒ (۱۱ نومبر ۱۹۴۴ـ۲۲ مئی ۲۰۱۳)

(سید عابد کبیر شاہ)

ہمارے پیارے بھائی سید عاشق حسنین مرتضٰی شاہ پانچ سال طویل علالت کے بعد ۲۲ مئی ۲۰۱۳ بروز بدھ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ آپؒ اپنی زندگی میں تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ آپؒ کو بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے دست شفقت پر بیعت ہوکر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شمولیت کے روز اول سے ہی اس کی تعلیمات کو اپنے روزمرہ معمولات کا حصہ بنایا۔ ذکراذکار کے اثرات دو چار ماہ میں ہی نمودار ہونا شروع ہوئے۔ کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ حضور پرنورﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ خواب میں زیارت کے دوران آپؒ سرکار دو عالمﷺ کے قدموں میں گر گئے تو سرکار رحمتہ اللعالمینﷺ نے اپنا دست مبارک آپؒ کی کمر پر رکھا۔ آپؒ کچھ ماہ بسلسلہ تلاش روزگار کراچی میں بھی رہے۔ یہاں آپؒ کی ملاقات حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ سے بھی ہوئی۔ آپؒ کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیعت ہوئے چھ ماہ ہوئے تھے۔ اس ملاقات میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ نے فرمایا کہ "عاشق تمہارے مرشد وقت کے سلطان ہیں"۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ "آپ نے جتنا فاصلہ چھ ماہ میں طے کیا ہے ہمارے ہاں مریدین یہ فاصلہ برسوں میں طے کرتے ہیں۔" مولانا عبداللہ درخواستیؒ نے آپؒ کو تحفے میں دو چار تعویذات بھی دیے جنہیں آپؒ زیادہ دیر سنبھال نہ سکے۔

کراچی قیام کے دوران ہی آپؒ کو کسی کام کیلئے بانس کی ضرورت پڑی، اپنے ایک پیر بھائی کے ساتھ بانس لینے کیلئے بانسوں کی مارکیٹ میں گئے۔ چھٹی کا دن تھا، ساری مارکیٹ بند تھی۔ آپؒ نے کہا کہ "یہ بانس ہمارے کام نہیں آئیں گے تو کیا آگ لگانے کے کام آئیں گے؟"۔ بانس لئے بغیر واپس آ گئے۔ اللہ جانے کیا ہوا کہ رات اس مارکیٹ میں آگ لگ گئی،

ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری مارکیٹ جل کر خاکستر ہوگئی۔ آپؒ کو بھی صبح معلوم ہوا کہ ساری مارکیٹ جل گئی ہے۔ آپ کے پیر بھائی نے اس واقعہ کی شکایت بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے کی کہ "عاشق زبان کو قابو میں نہیں رکھتا، اس نے ساری مارکیٹ جلا دی ہے۔ اس کے بعد کرامات کا سلسلہ بند ہوگیا تاہم کئی دیگر مفید واقعات رونما ہوتے رہے۔

بانیٔ سلسلہؒ نے جب جناب حضرت عبدالستار خانؒ کو خلافت کیلئے نامزد کر کے بیعت کا حکم دیا تو آپؒ نے بلا چون وچرا اس بیعت خلافت کی۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے پردہ فرما جانے کے بعد جناب حضرت عبدالستار خانؒ نے شیخ سلسلہ کے منصب پر بیعت لی تو آپؒ نے بلا تاخیر بیعت کی۔ حضرت عبدالستار خانؒ کی وفات کے بعد جب خلاف دستور و ضابطہ خاندانی گدی نشینی رواج پانے لگی تو آپؒ کو بھی اس کا ملال تھا۔ مگر جب مجازین کرام نے اپنی میٹنگ میں قواعد وضوابط کے مطابق قبلہ باباجان محمد صدیق ڈار صاحب کو مسند خلافت پر فائز کیا تو آپؒ نے بلا تاخیر حق پر مبنی اس فیصلہ پر لبیک کہا اور شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے مریدین میں شامل ہوگئے۔

آپؒ نے اپنے گاؤں لسوڑی میں حلقہ ذکر قائم کیا۔ آپؒ یہاں بانیٔ سلسلہؒ اور جناب عبدالستارؒ کے ادوار میں کافی عرصہ تک خادم حلقہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپؒ کی کاوشوں سے یا آپؒ سے متاثر ہو کر جناب پروفیسر منیر احمد لودھی صاحب، جناب تجمل حسین صاحبؒ، جناب مہر علی ملک صاحب، اور جناب خالد حسنین مصطفیٰ صاحب سمیت چند دیگر احباب، اور آپؒ کے اہل خانہ میں سے آپؒ کے سات بھائی، تین بیٹے، اور اہلیہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیعت ہوئے۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے آپؒ کو اپنا مجاز روحانی مقرر کر کے تحریری پروانہ جاری کیا۔ آپؒ کی زندگی خودی، خودداری، تحمل اور برداشت کی اچھی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپؒ کی کمی کوتاہی سے صرف نظر فرماتے ہوئے اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

# اصطلاحاتِ تصوّف

(خالدمحمودتوحیدی)

**قبض:** جب سالک عام محبت سے ترقی کر کے خاص محبت کے ابتدائی حال میں پہنچ جائے تو وہ صاحب حال اور صاحبِ دل بن جاتا ہے پھر اسے بار بار قبض وبسط حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ ایمان کے مرتبہ سے ترقی کر کے ایقان کے مرتبہ پر آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبض وبسط کی کیفیات عطا فرماتا ہے۔

**قبض کی کیفیات:** روحانی واردات کا کسی مصلحت سے منقطع ہو جانا، خوف کا بڑھ جانا، محبوب کی تجلی کے آثار کاوارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا، گھٹن، بجھاوٹ، روکھی روکھی سی کیفیت ہونا، دل کا بے رونق ہونا قبض کہلاتا ہے۔

**اسبابِ قبض:** قبض جو سوئے اعمال کی وجہ سے طاری ہوتی ہے کہ طاعات میں لذت مفقود ہوجاتی ہے۔ یہ حالت کبھی کسل مندی کی وجہ سے بھی طبعاً پیش آتی ہے، کبھی امتحاناً یہ حالت پیش آتی ہے اور بعض دفعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط کو سلب کرلیا جاتا ہے تاکہ عُجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ قبض سے عُجب کا علاج ہوتا ہے۔ جب سالک کو قبض کی کیفیت پیش آئے تو دل گرفتہ اور نا اُمید نہ ہو کیونکہ یہ اصلاح کا ذریعہ ہے۔ جب تک نفس لوامہ ہوتا ہے تو کبھی وہ مغلوب اور کبھی غالب ہوتا ہے اسی کش مکش کے نتیجے میں قبض وبسط کی کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

**بسط:** لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا بسط ہے۔ بسط سے اللہ تعالیٰ فیض کو بڑھاتا ہے۔ جب غیبی واردات دل پر طاری ہوتی ہیں تو قلب خوشی اور مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے ایسے موقع پر نفس چوری کر کے اپنا حصّہ حاصل کر لیتا ہے۔ جب اس روحانی جذبہ کا اثر نفس تک پہنچتا ہے تو وہ پھولے نہیں سماتا اور بسط میں زیادتی کر کے نشاط کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

**مشاھدہ:** کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر غالب اور قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

**تفویض:** اپنے آپ کواللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا کہ جو وہ چاہیں تصرّف کریں اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرنا یعنی خدا کے سوا کسی پرنظر نہ رکھے تدبیر کرے اور نتیجے کواللہ کے سپرد کردے۔ یعنی کامل عبدیت اختیار کرنا۔ جملہ امور کو اللہ کے حوالے کردینے کا نام تفویض ہے اللہ ہی تمام امور کا کفیل اور ضامن ہے اس لئے سالک کو چاہیے کہ تمام دلی تعلقات سے منقطع ہوکر ہمہ تن اپنی آخرت کی اصلاح میں مشغول ہوجائے۔

**رضا:** یہ ہے کہ مومن اپنے اختیار کوترک کردے۔حکمِ الٰہی کے جاری ہونے پر دل کوسکون حاصل ہونا رضا ہے۔آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ وہ راضی بہ رضا رہے۔قضاء پر اعتراض نہ کرنا، نہ زبان سے نہ دل سے یہ رضا کی حقیقت ہے۔

**خاطر:** بندہ کے دل پر جوخطاب گزرتا ہے اسے خاطر کہتے ہیں وہ کبھی خیر ہوتا ہے کبھی شر ہوتا ہے خیر کا دل میں واقع ہونا کبھی منجانب اللہ ہوتا ہے کبھی نفس، کبھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے شیطان کی طرف سے جوخیر ہوتا ہے وہ مکر ہوتا ہے صورتاً خیر لیکن حقیقتاً شر۔مثلاً کسی اعلیٰ خیر سے روک کر چھوٹی خیر میں مبتلا کرنا۔نفس کی طرف سے جوشر ہوتا ہے اس میں خیر بہت کم ہوتا ہے۔

**سُکر:** سکر روحانی حال کے غلبہ کو کہتے ہیں۔سُکر یہ ہے کہ انسان اشیاء سے تو بےخبر ہومگران میں امتیاز کرنے سے غافل ہو۔جب اللہ کو پالینے کا غلبہ ہوجائے تو انسان دردرساں اور لذّت رساں چیزوں میں امتیاز نہیں کرسکتا۔

**وجد:** گھبراہٹ یاغم جودل کولاحق ہو یا احوال آخرت کی کسی کیفیت کا مشاہدہ کرنا یا بندے اوراللہ کے درمیان کسی حالت کا منکشف ہونا وجد کہلاتا ہے جب مومنین وجد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں پھران کی کھالیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہوکرنرم ہوجاتے ہیں۔وجد آگ کا شعلہ ہے جوشوق کی وجہ سے باطن میں اٹھتا ہے وجد زوال پذیر ہے۔

**تفرید:** یہ ہے کہ نیک کاموں کو اپنے نفس کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ اللہ کا احسان سمجھے سالک کے افعال صرف اللہ کے لئے ہوتے ہیں کہ نہ ان کو دیکھ کر نفس میں عُجب وغرور پیدا ہوتا ہے اور نہ لوگوں پر نگاہ رکھتا ہے نہ معاوضہ کی طرف دھیان لگاتا ہے۔**تجرید** یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو اور تفرید یہ ہے کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو۔اس طرح تجرید میں اغیار کی نفی اور تفرید میں اپنے نفس کی نفی ہوتی ہے اور اپنے ذاتی ارادہ اور اختیار کو فنا کر دینا ہے۔

**محبت:** دل کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذّت حاصل ہو محبت کہتے ہیں محبت دلوں کا میلان ہے اگر یہ قوّی ہو جائے تو عشق کہتے ہیں۔ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے پھر اُنس کا رنگ غالب آتا ہے۔بات بات پر رقتِ قلب سے رونا، استغراق کا غلبہ۔اُنس کی حالت میں جب آثار کم ہو جاتے ہیں تو سالکین پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔سالک کا دل بے تکلف اللہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب (اللہ) پر اپنی ہر چیز قربان کر دو اور تمہارے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے۔اللہ کی شدید محبت سے سرور حاصل ہوتا ہے بلکہ محبت قلب کی وہ آگ ہے جو ہر نجاست کو جلا دیتی ہے۔محبت روحانی احوال کے لئے وہی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔جب نفس پاکیزہ ہو جائے اور روح کو محبت کی کشش سے اپنی طرف جذب کرے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اسے اپنی صفات اور اخلاق کا خلعت پہناتا ہے یہ مرتبہ وصول ہے۔اور اللہ پاک ذوق وشوق عطا فرماتا ہے جو محبت کا اعلیٰ جذبہ ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے کوشش وتدابیر کا نتیجہ نہیں بلکہ خدائی دین ہے جو سالک کو متحرک رکھتی ہے اگر یہ نہ ہو تو نفس کی صفات غالب ہو کر انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اہل محبت کو ان روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔جب سالک کی زندگی اللہ کے لئے وقف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مناجات اور محبت کی لذت عطا فرماتا ہے اور اس کی آنکھ نورانی دولت سے بہرہ ور ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ دنیا میں اسے ایسی روحانی نعمتیں بھی عطا فرماتا ہے جو مقام شوق

پر فائز ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان کا موت کے بعد کی زندگی کے شوق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شوق سوزِ جگر ہے۔ محبت شوق سے اعلیٰ ہے کیونکہ شوق اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اہل شوق وہی ہوتا ہے جس پر محبت کا غلبہ ہو۔

**یقین :** شک کا اُٹھ جانا یقین کہلاتا ہے اور جس بات سے ہمیشہ کے لئے اعتراض اٹھ جائے وہاں یقین ہوتا ہے یقین دل کی آنکھ ہے۔

**اُنس:** اُنس بھی ایک روحانی حال ہے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو اللہ سے اپنی تنہائی میں انسانوں کی محفلوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں مگر اللہ کی ذات ایسی ہے جس قدر اس سے مانوس ہوتے جاؤ گے اس قدر دل میں اس کی ہیبت اور عزت بڑھتی جائے گی۔ سالکان کے دلوں سے تمام دنیاوی تفکرات اور خواہشیں نکل جاتی ہیں۔ اُنس خداوندی میں اللہ کی اطاعت، اس کا ذکر، تلاوت اور تمام مذہبی عبادات بھی شامل ہیں یہ بھی اللہ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے۔ اُنس بھی ایک عمدہ روحانی حالت ہے اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کہ باطن پاکیزہ ہو، اس کی صفائی، سچے زہد، کامل تقویٰ، دنیاوی تعلقات کو قطع کر کے تصورات اور وسوسوں کو محو کرنے سے ہوتی ہے۔ اُنس سے نفس مطمئنہ کو خشوع و خضوع حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اُنس یہ ہے کہ اگر کسی کو آگ میں بھی ڈال دیا جائے پھر بھی وہ اس ہستی سے غافل نہ ہو جس سے اُنس ہو اور انسان اذکار کے ساتھ اس طرح اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جائے کہ اس کی وجہ سے اغیار کو دیکھنے سے بھی بے خبر ہو۔

**فنا و بقاء :-** ہر چیز کا حظ اور لطف جاتا رہے اور اللہ کی ذات میں فنا ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کرلیا جائے اس کا نام فناء ہے۔ بقاء یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو فنا کر کے اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے گویا دنیا کی تمام چیزیں اس کے لئے یکساں ہو جائیں۔ فنا کے مدعی کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے سوا اس کا دنیا اور آخرت سے کوئی تعلق نہ رہے اور اہل فنا وہ ہیں جو فنا کی حالت میں بھی فنا کے علم سے واقف نہ ہوں۔ فانی اپنے نفس اور اغیار سب کو فنا کر دیتا ہے اس کی نظریں ہر وقت اللہ کے فعل کی طرف لگی رہتی ہیں فنا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احساس بھی

فنا ہوجائیں ۔استغراق اور باطنی فنا کی حالت میں سالک کو کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اسکے ارد گرد کیا ہورہا ہے ۔ بلکہ اللہ کے کاموں میں اللہ کی اجازت کا منتظر رہتا ہے ایسا شخص ( فانی ) اپنے اختیار اور ارادہ کو ترک کر کے اللہ کے فضل کا منتظر رہتا ہے ۔

**ذکرو فکر:** ابتدائے سلوک میں ذکر ہوتا ہے اور انتہائے سلوک میں فکر ۔

**مراقبہ:** ۔ذکر و فکر کے بعد مراقبہ کی باری آتی ہے ۔مراقبہ کی اصطلاح رقیب کے لفظ سے نکلی ہے جس کے معنی نگہبانی اور محافظ کے ہیں ۔مراقبہ دل کو غیر اللہ کے خیالات سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے مراقبہ کے وقت سالک کا قلب تمام امور سے فارغ ہو حتیٰ کہ زمین و آسمان بھی غائب رہیں اور اللہ کی ذات کو موجود اور باقی تصور کیا جائے ۔

**جمع تفرقہ:** اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے مشغول ہونے کا نام تفرقہ ہے ۔جمع سے مراد خالص توحید ہے ۔تفرقہ سے مراد اکتساب و عمل ہے لیکن جمع کے ساتھ تفرقہ ضروری ہے ۔اگر وہ کہیں فلاں عین جمع میں ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کا مراقبہ سالک کے باطن پر غالب ہوتا ہے اس کے بعد اگر وہ ہوش میں آ کر کوئی کام کرنے لگے تو یہ تفرقہ کہلاتا ہے صحیح جمع، تفرقہ کے ساتھ ہوتی ہے دونوں ضروری ہیں ۔جمع اصل بنیاد ہے ۔جمع کی ابتداء ہمت کو یکجا کرنے سے ہوتی ہے، جمع کی کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اس کا تعلق تنہا اللہ کے ساتھ ہو کسی اور کے ساتھ نہ ہو ۔اور تفرقہ جو جمع کے بعد آتا ہے ۔

**ناسوت:** عالمِ خلق کو ناسوت کہتے ہیں ۔

**ملکوت:** عالمِ غیب کے مشاہدہ کرنے اور عالمِ ارواح کو ملکوت کہتے ہے

توجہ والقاء: دوسرے انسان کے دل میں ذکر اور محبت الٰہی کا پہنچانا توجہ اور القاء کہلاتا ہے ۔

**کشف:** یعنی انکشاف اصطلاح میں خواب یا بیداری کی حالت میں بعض اسرار کی حقیقت سے منکشف ہونا ۔

# دل کا رشتہ

(سائرہ گِل۔بدو کی گوسائیاں)

فی زمانہ معاشی مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ انسان تا حیات فکرِ معاش میں رہتا ہے صبح سے شام تک پیسہ کمانے کی تگ و دو نے انسان کو تھکا کر رکھ دیا ہے لیکن باوجود اس تگ و دو کے نہ سکون دل میسر ہوتا ہے اور نہ ہی ہوس پوری ہوتی ہے ۔سچے سے سچا مسلمان بھی بھاگ دوڑ کر پانچ نمازیں ہی پڑھتا ہے ایسے میں دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ نماز ادا بھی ہوئی یا صرف گنتی ہی پوری ہوئی ۔کیونکہ نماز میں بھی ذہن اعداد و شمار اور نفع و نقصان میں اُلجھا رہتا ہے۔

خدا، دین، نبی یہ باتیں ہم نے صرف کتابوں سے سیکھی ہیں ۔ان کے بارے میں ہمارا علم بھی صرف کتابوں تک محدود ہے ۔ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اللہ سے ہمارا تعلق کتنا مضبوط ہے نمازوں کے علاوہ اللہ کو دن میں کتنی بار یاد کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لیے ہم مصلحے کے محتاج ہیں؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے لیکن دل کے کتنے قریب ہے یہ بات ہم نے کبھی نہیں سوچی ۔حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا ۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس جدائی کی وجہ پوچھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا ۔کہ آپ کے دل میں اپنے بیٹے کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ بڑھ گئی تھی اس لیے اللہ نے آپکو ان سے جدا کر دیا 32 سال بعد ملنے کی اجازت ملی جب ملے تو باپ بیٹا گلے لگ کر اتنا روئے کہ بے ہوش ہو گئے پھر اُٹھے پھر اتنا روئے اور پھر بے ہوش ہو گئے ۔حضرت جبرائیل نے رشک سے پوچھا یا اللہ! اتنی محبت بھی کوئی کسی سے کرتا ہے اللہ نے فرمایا جبرائیل میں اُمت محمد ﷺ کے ہر فرد سے اس سے 70 گناہ زیادہ محبت کرتا ہوں ۔تو پھر اتنے زیادہ پیار کرنے والے اللہ تعالیٰ سے ایک الگ سا احساس ایک الگ سا تعلق کیوں نہیں ہونا چاہیے جو ہم نے کبھی کسی دنیاوی رشتے کیلئے نہ سوچا ہو۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی متاثر کن بات یہ ہے کہ اس تیز رفتار زمانے میں یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا

شارٹ کٹ ہے نہ لمبی لمبی ریاضتیں اور نہ ہی لمبے لمبے وظیفے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق بنانے پر زور دیا جاتا ہے یہ سلسلہ دورِ جدید کے تقاضوں کے عین مطابق ہے جس میں دنیا سے کٹ کر نہیں بلکہ دنیا کے ساتھ چل کر سلوک راستہ اختیار کیا جاتا ہے اگر ہم دنیا سے لاتعلق ہو کر صرف دین کو اپنانے کی کوشش کریں گے تو معاشی مسائل یا وقت کی تنگی آڑے آجائے گی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مطابق ایک توحیدی کو نفی اثبات کا ذکر صرف پندرہ منٹ کرنا ہوتا ہے اور ذکر کے دوران سالک کی تمام تر توجہ دل کی طرف مرکوز رہتی ہے جو کہ ذات باری تعالیٰ کا ٹھکانہ ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ اسی دل کے رشتے کو پروان چڑھانے میں کوشاں ہے۔

## فرامین عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

**ثابت قدمی** : مشتمل ہے دو باتوں پر۔ پہلی بات یہ ہے کہ شیخ نے تم کو دین یا دنیا کے بارے میں جو ہدایات کی ہیں ان پر استقلال کے ساتھ عمل کرتے رہو اگر کچھ عرصہ تک عمل کرنے کے بعد بھی نتائج حسب دل خواہ پیدا نہ ہوں تب بھی ہمت نہ ہارو۔ عمل کیے جاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ راہِ سلوک میں ترقی کا جلدی ہو جانا یا دیر میں ہونا شیخ کے اوپر ہرگز منحصر نہیں ہے بلکہ تمہاری اپنی سرشت اور ذہنی و روحانی بناوٹ پر منحصر ہے۔ کسی آدمی میں طالب بننے یا بیعت ہونے کے فوراً ہی بعد روحانی آثار پیدا ہونے لگتے ہیں اور کسی میں دیر میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان آثار کا جلدی پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو نواز دے۔ اِس لئے جن لوگوں میں روحانی آثار پیدا نہ ہوں ان کو گھبرانا اور مایوس نہیں ہونا چاہئے کام میں لگے رہنا چاہئے۔ ہاں یہ بات بہ یقین کہی جا سکتی ہے کہ جن لوگوں میں روحانی آثار دیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ ہرگز گھاٹے میں نہیں رہتے بلکہ بمصداق دیر آید درست آید وہ آخر میں ان لوگوں سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں جن میں آثارِ روحانی جلدی پیدا ہو جاتے ہیں۔

(اقتباس از طریقت توحیدیہ)

# اصلاح کی طرف پہلا قدم توبہ!

(مفتی محمد شفیعؒ)

### صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی باطنی دنیا صحت مند ہو، دل کے امراض دور ہو جائیں اس کے نتیجے میں اسے رضائے الٰہی حاصل ہو اور وہ عذاب جہنم سے محفوظ رہے تو اس راہ کا پہلا قدم "توبہ" ہے

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں "تــوبــــہ" کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زبان سے "استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه " کا ورد کرلیں، حالانکہ یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے پچھلے گناہوں پر حسرت وندامت ہو، حتی الامکان اس کے تدارک کی فکر کی جائے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا مکمل عزم ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں خیر اور شر ملے جلے رہتے ہیں اس میں تقویٰ کے دواعی بھی موجود ہیں، اور فسق وفجور کے بھی، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو آپ کو نیکی کی ترغیب دیتی ہیں اور بہت سی وہ ہیں جو آپ میں گناہ کرنے کا داعیہ پیدا کرتی ہیں، آپ کا فرض یہ ہے کہ گناہ کے دواعی کو مغلوب کرکے نیکی کے دواعی کو اس پر غالب کر دیں۔

امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے 'نیک' کو 'بد' سے ممتاز کرنے کے لئے "تپش" کی ضرورت ہے یہ تپش جو انسان کو کھوٹ سے نجات عطاء کرتی ہے دو طرح کی ہے ایک عذاب جہنم کی تپش کیونکہ انسان کے لئے جہنم کی آگ بھی درحقیقت کھوٹ ہی کو الگ کرنے کے لئے ہوگی، محض جلانا مقصد نہیں ہوگا بلکہ پاک صاف کر کے جنت میں داخل کرنا مقصود ہوگا۔

دوسری قسم کی "تپش "حسرت وندامت کی تپش ہے یہ ایسی آگ ہے جو اس دنیا میں کھوٹ کو پگھلا سکتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو کھوٹ سے نجات حاصل کرنے کیلئے ان دو قسموں میں سے کسی ایک قسم کی آگ میں جلنا ضروری ہے، اب اگر وہ چاہے تو جہنم کی آگ کو اختیار کر لے اور اگر یہ بات اسے مشکل معلوم ہوتی ہے (واقعتاً یہ بڑی مشکل ہے) تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسی دنیا میں اپنے دل کے اندر حسرت وندامت کی تپش اور سوزش پیدا کرے، اسی تپش اور سوزش کا نام "توبہ" ہے اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے۔"**توبہ ندامت ھی کا نام ھے**"

## توبہ کے تین درجے:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ندامت کس طرح پیدا ہو؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ندامت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ "علم" ہے کیونکہ جب آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں نے جو کام کیا ہے وہ غلط یا مضر تھا، اسے اپنے کئے پر کبھی پشیمانی نہیں ہوگی، جس شخص کو یہی پتہ نہ ہو کہ جو چیز میں نے کھائی ہے وہ زہر تھی، اسے ندامت کیسے ہو؟ ندامت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسے یہ علم ہو کہ میں نے زہر کھایا ہے، اور یہ میرے لئے مہلک ہے۔

بالکل اسی طرح جب تک آدمی کو یہ علم نہ ہو کہ جو کام میں نے کیا ہے وہ برا، ناجائز یا عذاب جہنم کا موجب ہے۔ اس وقت تک اسے اپنے اس فعل پر ندامت نہیں ہو سکتی لہذا اگر "ندامت" کی تپش پیدا کرنی ہے تو اس کا پہلا راستہ یہ ہے کہ گناہ کے گناہ ہونے کا علم پیدا کیا جائے اور علم بھی محض رسمی اور لفظی علم نہیں بلکہ ایسا علم جو دل میں فکر آخرت، خوف خدا اور گناہ کی لذت سے زیادہ اس کی نفرت پیدا کرے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اللہ سے ڈرنے کو علم کی علامت قرار دیا ہے ارشاد ہے:"اللہ کے بندوں میں سے جاننے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں"

جس شخص کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت نہ ہو اور جسے گناہوں کی تباہ کاری کا علم اور یقین حاصل نہ ہو، وہ عالم نہیں، بدترین جاہل ہے۔

جب تک گناہوں کے بارے میں یہ یقینی علم حاصل نہ ہو کہ وہ ظاہری طور پر کتنے ہی نظر

فریب کیوں نہ ہوں حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، قرآن کریم کی اصطلاح میں انسان عالم نہیں کہلاسکتا اور نہ اس کے بغیر توبہ کی حقیقت حاصل ہوسکتی ہے۔

اس "علم" کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں غور کرکے گناہوں کے وبال اور عذاب کا استحضار پیدا کیا جائے اور ان کی تباہ کاریوں کو مراقبہ کے ذریعہ ذہن میں خوب اچھی طرح جمایا اور بٹھایا جائے۔

اس "علم" کے بعد توبہ کا دوسرا درجہ "ندامت" ہے ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو کسی ناجائز فعل کے تباہ کن ہونے کا یقینی علم حاصل ہوجائے گا تو اگر اس نے ماضی میں وہ ناجائز فعل کیا ہے تو اس کو لازماً اپنے کئے پر "ندامت" اور پشیمانی ہوگی۔

اس کے بعد تیسرا درجہ "تدارک" ہے جس کیلئے دو کام کرنے ضروری ہیں۔

(1) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم۔

(2) ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں اگر وہ حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کی ممکنہ ادائیگی مثلاً اگر کسی کا مال غصب کیا ہے تو اسے واپس کیا جائے، کسی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائی ہے تو اس کے بدلے کے لئے تیار ہوکر اس سے معافی کی درخواست کرنا وغیرہ۔

اور اگر وہ گناہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہو تو جن گناہوں کا قضا یا کفارہ سے تدارک ممکن ہو ان کا اسی طرح تدارک کرنا مثلاً اگر نمازیں یا روزے چھوڑ دیئے ہیں تو ان کی قضا کی جائے اگر قسم کھا کر توڑی ہے تو اس کا کفارہ ادا کیا جائے۔

اور اگر گناہ ایسا ہے کہ شریعت میں قضاء یا کفارہ کے ذریعہ اس کا تدارک ممکن نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے پوری عاجزی کے ساتھ استغفار کرنا۔

حدیث مبارک میں ارشاد ہے کہ " گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے وہ شخص جس نے کبھی گناہ ہی نہ کیا ہو" توبہ کا یہ دروازہ ہر شخص کے لئے اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک نزاع کی کیفیت اس پر طاری نہیں ہوجاتی، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

# حضور اکرم ﷺ کی چند عادات برگزیدہ

(ڈاکٹر لیاقت علی نیازی)

بارگاہ نبوت میں عفوو درگزر، مہمانوں کی مہمان نوازی، کھانا تناول فرماتے وقت حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ، حضور اکرم ﷺ کی نشت، حضورﷺ کی تفریح، بکریوں کی تعداد، آنحضرت ﷺ کا مسکرانا، غم کے وقت کیفیت، خوشی کے وقت کی کیفیت، آنحضرت ﷺ کی خانگی مشاغل، بازار کے کام کرنے میں عار نہ محسوس فرمانا، بارش برستے وقت خوشی کا اظہار، خطوط لکھوانے میں حضور ﷺ کی عادت، خواب پوچھنے کا شوق، گھوڑے سے محبت، کبھی کبھی باغات میں تفریح اور حضور انور ﷺ کے تیرنے کا شوق، حضور اکرم ﷺ کے یہ چند مبارک خصائل سیرت طیبہ کے وہ چند گلہائے رنگ ہیں جن کو دیکھ کر طبیعت خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اور چمنستان سیرت کی سیر کو جی چاہتا ہے۔

امام المحدثین حافظ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ نے شمائل ترمذی تالیف فرمائی جس میں حضور اکرم ﷺ کے خلق عظیم کے بارے میں نہایت عمدہ انداز میں عکاسی کی گئی ہے علماء کرام نے ترمذی شریف کے بارے میں فرمایا تھا کہ جس گھر میں حدیث کی یہ کتاب ہو وہاں حضور اکرم ﷺ چلتے پھرتے اور مسکراتے نظر آتے ہیں۔

حضور انور ﷺ کی چند عادات برگزیدہ شمائل سے اکٹھی کی گئی ہیں تاکہ اُسوہ حسنہ کے منتخب پہلو سامنے آئیں اور ہم ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

۱۔ بارگاہ نبوت میں جس کسی قصور وار کا قصور اخلاق کریمانہ سے معاف ہو جاتا تو اس کی علامت میں اپنا عمامہ مبارک اس کے پاس ارسال فرماتے۔

۲۔ خاص معزز مہمان نوازی بنفس نفیس انجام فرماتے۔

۳۔ کھانے کی چیز کبھی تنہا تناول نہ فرماتے بلکہ حاضرین کو شریک فرماتے اور غیر حاضر کا حصہ رکھتے

۴۔ جب کبھی کسی کو پکارتے تو اس کی نشانی سے پکارتے ۔ایک مرتبہ ایک شخص جوتا پہن کر قبروں پر پھر رہا تھا تو آپ نے اُس کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا او جوتی والے جوتی اُتار۔

۵۔ کسی شخص کو اگر اتفاقاً آپ ﷺ کے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو آپ ﷺ تکلیف زدہ کو بدلہ لینے کا حق دیتے اور کبھی اس تکلیف کے عوض میں اُس کو کوئی چیز عنایت فرماتے

۶۔ نشست میں عادت طیبہ مختلف رہی ۔کبھی بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں کے آس پاس لپیٹ لیتے ۔کبھی بجائے ہاتھوں کے کپڑا لپیٹ لیتے ۔

۷۔ بیٹھے ہوئے ٹیک لگاتے تو اکثر اُلٹی جانب اور اُلٹے ہاتھ کے طرف لگاتے ۔

۸۔ کبھی بطور تفریح کنوئیں کے دہانے میں پاؤں لٹکا کر اور پنڈلیاں کھول کر بیٹھتے ۔

۹۔ آنحضرت ﷺ کے پاس (۱۰۰) سو بکریاں تھیں ۔آپ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ اُنکی تعداد (۱۰۰) سو سے بڑھ جائے ۔چنانچہ جب تعداد بڑھنے لگتی تو ان میں سے کسی ایک کو ذبح کر ڈالتے تا کہ (۱۰۰) سو کی تعداد باقی رہے ۔

۱۰۔ کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کیلئے (جو مسجد سے باہر کہیں گم ہو گئی ہو) مسجد میں اعلان کرتا تو آنحضرت ﷺ بہت ناراض ہوتے اور فرماتے "اللہ تیری گم شدہ چیز نہ ملائے" ۔

۱۱۔ آنحضرت ﷺ کبھی نہ ہنستے بلکہ صرف تبسم فرماتے ۔آپ ﷺ کی انتہائی ہنسی میں صرف چند دندان مبارک نظر آتے ۔

۱۲۔ حضور اکرم ﷺ کے رونے میں بھی آواز نہیں نکلتی تھی بلکہ ٹھنڈا سانس لیتے ۔آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور سینے سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسے کوئی ہانڈی اُبل رہی ہے یا کوئی چکی چل رہی ہے ۔

۱۳۔ جب آنحضرت ﷺ پر غم وصدمہ طاری ہوتا تو دست مبارک سر اور داڑھی مبارک پر بار بار پھیرتے ۔ریش مبارک کو پکڑتے اور کبھی انگلیوں سے اُس میں خلال کرتے اور فرماتے ۔**حسبی اللہ ونعم الوکیل** ۔

۱۴۔ آنحضرت ﷺ خوشی کے وقت نظر نیچی فرما لیتے۔

۱۵۔ کہیں سے صدقہ وغیرہ کی رقم آتی تو جب تک آپ ﷺ اس کو غریبوں اور مستحقوں میں تقسیم نہ فرما دیتے، گھر تشریف نہیں لے جاتے۔

۱۶۔ آپ ﷺ جب تک اپنے خانہ اقدس میں رہتے خانگی کاموں میں مصروف رہتے۔ خالی و بے کار ہرگز نہیں بیٹھتے۔ گھر کے معمولی سے معمولی کام انجام دینے میں آپ ﷺ عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ مثلاً دودھ دوہ لیتے۔ جانوروں کو چارہ ڈال دیتے۔ کپڑے وغیرہ میں پیوند لگا لیتے اپنا جوتا مبارک خود ہی لیتے۔ خادم کے ساتھ مل کر آٹا پسوا لیتے۔

۱۷۔ بازار سے سودا سلف لانے میں آنحضرت ﷺ عار نہیں کرتے تھے بازار خود تشریف لے جاتے اور سودا کپڑے میں باندھ کر لے آتے۔

۱۸۔ بارش کا پہلا پانی برستا تو آپ ﷺ تہبند باندھ کر جسم مبارک کو بارش کے پانی سے تر فرماتے

۱۹۔ خطوط لکھوانے میں عادت طیبہ تھی کہ بسم اللہ کے بعد مرسل کا نام لکھواتے اور پھر مرسل الیہ کا اس کے بعد خط کا مضمون لکھواتے۔

۲۰۔ جب آپ ﷺ کسی کو کوئی چیز دیتے تو سیدھے ہاتھ سے دیتے اور اگر کوئی چیز لیتے تو سیدھے ہاتھ سے لیتے۔

۲۱۔ عادت طیبہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے اور لوگوں سے اُن کے خواب پوچھتے۔

۲۲۔ آپ ﷺ کو سواری کے جانوروں میں گھوڑا بہت پسند تھا اس کے ایال کے بالوں کو انگلیوں سے بٹتے اور فرماتے کہ بھلائی اس کی پیشانی سے قیامت تک بندھی ہوئی ہے

۲۳۔ آنحضرت ﷺ باغات کی تفریح کو پسند فرماتے اور کبھی کبھی باغات میں تفریح کے لئے تشریف لے جاتے۔

۲۴۔ آنحضرت ﷺ کبھی تیرنے کا بھی شوق فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک تالاب میں آپ ﷺ

اور چند اصحابؓ تیرے۔ آپ ﷺ نے ہر ایک کی جوڑی مقرر فرما دی کہ ہر ایک اپنے ساتھی کی طرف تیر کر جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرار پائے اور آپ ﷺ تیرتے ہوئے اُن کے پاس گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ہر پہلو کا مطالعہ کریں۔ اس پر غور کریں اور اس پر عمل کریں کیونکہ اسی میں ہماری فلاح ہے۔ آمین!

## ارشادات عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

**عمل**: دنیا اور دین میں کامیابی کے لئے عمل بھی ضروری ہے، عمل کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کتنا ہی عقلمند ہو، عالم اور فاضل ہو، جب تک عمل نہ کرے گا پتھر کی طرح اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ اس لئے علم و تجربہ حاصل کرنے کے بعد اپنا ایک نصب العین مقرر کر لینا چاہئے کہ میں زندگی میں فلاں شے یا فلاں مرتبہ حاصل کر کے رہوں گا۔ پھر اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ایک دستور العمل بنانا چاہئے۔ پھر خوب کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نصب العین حاصل ہو جائے۔ نصب العین اپنے ذرائع کی ممکن حدود کے مطابق ہونا چاہئے، ایسا نصب العین ہرگز مقرر نہ کرنا چاہئے جس کا حصول ممکن ہی نہ ہو۔ ہاں جب ایک نصب العین حاصل ہو جائے تو البتہ دوسرا اور پہلے سے اعلیٰ نصب العین متعین کر کے اس کے حصول کی کوشش شروع کی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ عمر تمام ہو جائے۔ مطلب یہ کہ خالی اور بیکار پڑے رہنا کسی طرح بھی شریف انسان کے شایان شان نہیں۔ جانور بھی بیکار نہیں رہتے اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔

(اقتباس از تعمیر ملت صفحہ نمبر 160)

# فیشن پرستی

(ساجدہ بانو)

فیشن پرستی اور بے حیائی کی لعنت نے اخلاقی قدروں کے زوال کو اور سسکتی ہوئی انسانیت کے حالت زار کو بہت نمایاں کردیا ہے، ملت کے نوجوان لڑکے لڑکیاں آج ذہنی آوارگی، بدچلنی اور بے راہ روی کی راہ پر گامزن ہوکر اپنے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا کررہے ہیں، مغربی تہذیب کی لعنتوں وفطور نے ان کے فکر وشعور پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ اس سے نوجوانوں کی اکثریت اس فریب جدید کو سمجھے بغیر خود کو جدید سے جدید اور ماڈرن ثابت کرنے کیلئے عزت و وقار، شرافت، نجابت کی حدود کو پار کررہی ہے۔ اس مغربی تہذیب کی جدیدیت کے خوش نما فریب سے مسلمانوں کو اور اسلامی کلچر کو تحفظ فراہم کرنا اشد ضروری ہے۔ بے حیائی و فیشن پرستی کے فساد کا محرک وہ حیا سوز پروگرام ہیں جو کیبل اور انٹرنیٹ کے ذریعہ بڑے پر تپاک اور بے باک انداز میں پیش کیے جاتے ہیں اور ملت اسلامیہ کے افراد اس کی تباہ کاریوں سے بالکل بے خبر پروگرام  دیکھتے ہیں اور اسے برا جاننے کے بجائے اچھا سمجھتے ہیں۔ واضح ہو کہ ڈراموں وغیرہ کے بُرے اور فاسد اثرات سے نہ صرف بڑوں کے ذہن وفکر پر اثرات مرتب ہورہے ہیں بلکہ چھوٹے بچے بھی اس کے مہلک اثرات سے دوچار ہورہے ہیں۔ آج کی فلمیں اور ڈرامے محض بے حیائی و عریانیت، بڑوں کی نافرمانیوں کا رجحان اور قتل وخون ریزیوں کے مناظر پر مرتب و منحصر ہیں، جن کی روایت کے بعد ناظرین کے فکر وشعور پر جو اس کا اثر پڑے گا  یقیناً تخریب ہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ شیطان ہمارا واضح اور کھلا ہوا دشمن ہے اسکی ہر آن یہی خواہش و چاہت ہوتی ہے کہ کسی طرح ہم فیشن پرستی کے مرض میں مبتلا ہوکر اپنے دین و دنیا کی تباہی و بربادی کا شکار ہوں جائیں۔ آج وہ خوشیوں میں مستغرق پھولے نہیں سما رہا ہے، کیونکہ آج مسلمان کی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں سرکار دوعالم ﷺ کی مبارک سنتوں اور احسن طریقوں کے بجائے مغربی تہذیب اور فیشن پرستی رچی بسی ہوئی ہے۔

مسلمانوں میں فیشن پرستی: حدیث پاک میں ہے کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے۔" مشابہت کی بنیاد پر خیر و شر سے امتیاز ختم ہو جایا کرتا ہے۔

## زمانہ جاهلیت کی عورت:

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں عربوں کا معاشرہ ستر و حجاب سے یکسر خالی اور عاری نظر آتا ہے، اس وقت عورتوں میں نمائش حسن ، اظہار زیب و زینت، نزاکت و اداکاری، اور اجتماعی جلوس میں عام تھی۔ خواتین اپنے لباس اس طرح زیب تن کیا کرتیں کہ گلے اور سینے کا پردہ نہیں ہو پاتا، زیورات کی جھنکار، عطر و خوشبوئیں لگا کر، غرور اور اترا، اترا کر چلنا اور مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بھرپور فیشن کر لینے میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے زناکاری، بدکاری فحاشی عام تھی۔

جب اسلام نے اپنا مقدس ، پاکیزہ قدم رکھا تو جملہ امراض کو ختم کرنے کے لئے عورتوں کیلئے پردہ لازمی قرار دیا تاکہ معاشرہ بے شرمی و بے حیائی سے پاک و صاف رہے۔ پردے کا مقصد خواتین کو زنجیروں میں جکڑنا یا ان کی تمناؤں کا خون کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد عورت کو عزت و وقار و عظمت اور عصمت کی دولت بے بہا سے نوازنا ہے اور مردوں کو برے خیالات و جذبات سے بچانا ہے۔ آج کہا جاتا ہے دنیا ترقی کر رہی ہے، میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا عورتوں کا بن سنور کر بے شرمی و بے غیرتی کا مظاہرہ کرنا فیشن ہے؟ انگریزی وضع قطع کے باریک اور چست کپڑے پہن کر گلیوں، بازاروں اور ہوٹلوں میں پھرنا، پارکوں، اسکولوں اور کالجوں میں بے حجاب مردوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر گھومنا کون سی روشن خیالی اور کون سی ترقی ہے؟ بلکہ ترقی کے نام پر بے پردگی کو فروغ دینا ہے۔ بے پردگی نے عورت کی عزت و عصمت کو اس طرح برباد کر دیا ہے کہ پارسائی اور پاکدامنی کا لفظ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

# سستی، کاہلی اور تن آسانی

(محمد بشیر جمعہ)

ہماری زندگی میں سستی اور کاہلی آگئی ہے اور ہم نے " کل " پر بھروسا کیا ہوا ہے۔ نصب العین اور مقاصد کے تعین کو بھی کل پر ٹال دیا ہے ۔ یہ تساہل، سست روی، ٹال مٹول، تاخیر ہمارے انتہائی دشمن ہیں ۔ یہ نشہ آور چیزوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔ ہم اللہ کی نعمت " وقت " کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں آخرت کی خاطر دنیا کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو کام میں لانا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ٹال مٹول شیطان کا شعار ہے، جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ حضرت امام جوزیؒ فرماتے ہیں کہ عمر کی سانسوں میں سے ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے۔

مشہور قول ہے کہ "داناؤں کے رجسٹر میں 'کل' کا لفظ نہیں ملتا۔ البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں بکثرت مل سکتا ہے"۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر " کل " کا تعاقب کرتے کرتے ضائع کردی ہم دھوکے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ۔ ہماری زندگی پر تساہل کے مسلسل اثرات ایک غیر محسوس بیماری اور خود ملامتی سے بھرپور نشہ ہیں۔

ہم تساہل کی بیماری کے باعث اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے ۔ نہ آخرت کی تیاری کرتے ہیں اور نہ دنیا بناتے ہیں ۔ زندگی ناکامی کی زنجیروں کی طرح پیروں کو جکڑ لیتی ہے اور حسرت اور ملامتی مستقبل کا ساماں بن جاتی ہے ۔ ہمارے زوال اور انحطاط کی بڑی وجہ یہ تساہل اور کاہلی ہے، نا اہلی، عدم توجہی اور مقصد کے شعور کی کمی ہے ۔ یہ بیماری اور نشہ ہیروئن اور افیون سے کم نہیں ۔ سونامی کا طوفان تو سمندر سے اٹھ کر ساحلی علاقوں کو تباہ کرتا ہے لیکن سستی اور کاہلی کا سیلاب اور طوفان کسی دریا اور سمندر کا محتاج نہیں، یہ قوموں کے اندر ابھرتا ہے اور غیر محسوس طریقے

سے پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔اگر آپ تساہل کا شکار ہیں تو آپ کی شخصیت غیر منظم اور غیر مربوط ہوجاتی ہے۔پھر آپ فوری اور ترجیحات کے معاملے میں تفریق نہیں کرسکتے۔بہت سے کام ایک ساتھ جمع ہوجاتے ہیں۔اپنا وقت اور توانائی آپ آرام دہ اور آسان کاموں میں لگاتے ہیں۔جو لوگ تساہل کا شکار ہیں وہ عدم توجہی اور یک سوئی کی کمی کے شکار ہوتے ہیں۔جو بہت سے معاملات اپنی یادداشت پر چھوڑ دیتے ہیں۔حقیقت میں کاموں اور ذمہ داریوں کو بھولنے کے عادی بن جاتے ہیں۔کاموں کی فہرست طویل ہوجاتی ہے جس پر عملدرآمد ممکن نظر نہیں آتا۔کام کا بڑھتا ہوا دباؤ بے اختیاری اور بے بسی کا احساس پیدا کردیتا ہے۔اپنے آپ کو ہمیشہ مضطرب محسوس کرنا۔ڈیپریشن میں مبتلا ہونا، پریشان ہونا، اپنی عزت نفس کے معاملے میں سنجیدہ نہ ہونا، اپنے اوقات کا صحیح استعمال نہ کرنا۔تاخیر سے آنا دفتر میں دیر تک بیٹھنا گھر پر کام لے جانا پھر کچھ نہ کرنا گھر والوں کے ساتھ منصوبے بنانا اور پھر تھک جانا یا سوجانا طبیعت خراب ہونے کا بہانہ بنالینا۔ان بیماریوں سے بچنے کی کوشش کیجئے انہیں کم کرنے کی کوشش اور علاج کیجئے۔

ہمارے کتنے احباب اور رشتہ دار بیماری کی حالت میں ہسپتال میں زیرعلاج ہوتے ہیں ہم عیادت کیلئے ٹال مٹول کرنے کے باعث ان کی خیریت دریافت نہیں کرسکتے۔اپنے کاموں اور عمل کرنے کے بارے میں کل کا انتظار کررہے ہوتے ہیں۔ہم اکثر طے کرتے ہیں بس تھوڑی دیر آرام کرلیں اسکے بعد کام شروع کریں گے مگر آرام میں صبح ہوجاتی ہے ہم کہتے ہیں شام جلد گھر پہنچ کر یہ کام کرلیں گے مگر سورج غروب ہوجاتا ہے اور شام رات میں اور رات سحر میں ڈھل جاتی ہے۔ہم اپنی ان عادتوں کے باعث تکالیف اور الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

جو مرد آہن ہوتے ہیں عملی زندگی میں تساہل سے گریز کرتے ہیں۔کہتے ہیں کل کا انتظار کیوں کروں، آج ہی کرلوں گا۔سستی کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم میں ترجیحات متعین کرنے کا شعور نہیں ہے۔اور اگر متعین ہے تو کام کو شعوری انداز سے نہ لینا۔زندگی کے بارے میں مقاصد کا واضح نہ ہونے میں شعور کی کمی سستی بنیادی وجوہات ہیں۔

اپنی اصلاح کی کوشش کیجئے مگر برق رفتاری اور چھلانگیں لگا کر نہیں، اپنی طبیعت اور مزاج اور عادات کو سامنے رکھتے ہوئے کرنے کے کام تحریر کریں آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے مراحل میں تبدیلی لائیے ۔اس بات کی کوشش کریں کہ آپ کا آج اچھا،خوشگوار اور گزشتہ کل سے بہتر ہو اور آپکی تربیت بھی اس انداز سے ہو کہ ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوے لمحے سے بہتر ہو اور آنے والا دن گزشتہ دن سے بہتر ہو۔امام ترمذیؒ نے کتاب الزھد میں نبی کریمﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ **دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔**

جو کام بھی کریں اس میں توازن ،تواتر اور تسلسل ضرور برقرار رکھیے۔کسی چھوٹی سی کامیابی کے بعد خرگوش کی طرح مطمئن مت ہو جایئے ورنہ کچھوا اپنے مسلسل عمل سے آگے نکل جائیگا۔

(ماخوذ از ابھی یا کبھی نہیں -Now or Never مؤلفہ محمد بشیر جمعہ صاحب)

## احادیث نبویﷺ

☆ اللہ تعالٰی کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسندیدہ نہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے میں گرا ہو۔

☆ جو شخص لباس کو شہرت حاصل کرنے یا امارت کو ظاہر کرنے کی غرض سے پہنے،اللہ تعالٰی اس کو ذلت کا لباس پہنائے گا۔

☆ آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

# کائنات

(مدثرحسن بخاری)

اس سے آگے کائنات کو دیکھئے ایک کروڑ ارب خلیات سے تخلیق شدہ انسان ہزاروں سال قبل اپنے گردوپیش سے آگے کی معلومات بھی نہ رکھتا تھا وہ دنیا اور کارخانہ کائنات کو اتنا ہی بڑا تصور کرتا تھا جو اس کو دکھائی دیتا تھا ہر بلند چیز مثلاً پہاڑ، چاند، سورج یا نقصان رساں اشیاء مثلاً زلزلہ، بجلی کا کڑکا، سیلاب آندھی وغیرہ سے ڈرکر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتا تھا اور انہیں اپنا خدا سمجھ بیٹھتا تھا۔ اللہ نے مسلسل رسولؐ بھیج کر انسان کو بتایا کہ کرہ ارض کی ہر شے کو صرف تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہمت کر کے آگے بڑھو اور ان کو اپنے فائدے کے لئے مسخر کرلو دورجدید میں انسان نے ان اشیا کا اتنا علم حاصل کرلیا ہے کہ وہ زمین سمندر اور ہوا کی حدود سے نکل کر خلا میں داخل ہوگیا ہے جہاں ہوا ہے نہ پانی اور کشش ارضی بھی برائے نام نہ صرف یہ بلکہ اب تو اس نے نظام شمسی کے تمام سیاروں پر کمند پھینک دی ہے اور نظام شمسی سے بھی آگے نکلنے کی کوشش ہورہی ہے۔ جن چیزوں کو انسان پہلے سجدہ کرتا تھا انہیں اب بہت معمولی سمجھنے لگا ہے ان اشیاء سے بہت بڑی بڑی چیزیں اس کو دکھائی دینے لگی ہیں۔ کرہ ارض پر بکھری ہوئی اشیاء اور فضاء میں بہت سے نظر آنے والے ستارے اب اس کی نظر حقائق کا سراغ پاچکا ہے او رمزید کا سراغ لگانے کے لئے رواں دواں ہے۔

جس زمین، چاند، اور سورج کو ہم کائنات سمجھتے تھے وہ سارا نظام شمسی کُل کائنات کے ایک بڑے محیط میں صرف ایک ذرہ کے برابر نکلا۔ انسان نے جب تحقیق کی اور زمین سے آسمان تک کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا تو خدا کی عظمت کے بے شمار نشان نظر آئے ہماری زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ ہماری زمین کا قطر تو کُل بارہ ہزار سات سو چون کلومیٹر ہے جب کہ جوپیٹر Jupiter کا قطر ایک لاکھ کلومیٹر ہے یعنی زمین سے 109 گناہ بڑا۔ قطر کی یہ وسعت تو کچھ بھی نہیں جبکہ اس کے بالمقابل اگر ایک لاکھ کو 95 کھرب سے ضرب

دی جائے تو اس کی حاصل ضرب کے برابر کلومیٹر قطر ہماری کہکشاں کا ہے جس کا عرض 60ہزار 95X کھرب کلومیٹر ہے اس کو Milkyway یعنی دودھیا کہکشاں کے نام سے جانا جاتا ہے اسی کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی شامل ہے اس کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یعنی سوارب ستارے پائے جاتے ہیں ہمارا پورا نظام شمسی اس کہکشاں کے ایک چھوٹے سے کونے میں پڑا ہے اب تک انسانی مشاہدہ ایسی ایک سوارب کہکشاں کا سراغ لگا چکا ہے۔

یہ تو تھا جسامت کا اندازہ اب فاصلوں کا اندازہ کیجئے کہ زمین سورج سے صرف 15 کروڑ کلومیٹر دور ہے جبکہ نیپچون Neptune سورج سے 4ارب 49 کروڑ 50لاکھ کلومیٹر دور ہے پلیٹو Pluto کا سورج سے فاصلہ پانچ ارب 91 کروڑ کلومیٹر ہے یہ فاصلے اس وقت بہت معمولی رہ جاتے ہیں جب ملکی دے MIlkyway کا فاصلہ 92ہزار ایک ارب کلومیٹر کا اندازہ لگایا گیا ہے کہکشاؤں کے فاصلے جواب متعین ہورہے ہیں وہ ہندسوں یا لفظوں میں پورے نہیں لکھے جاسکتے شاید اس بات سے کچھ اندازہ لگایا جاسکے کہ اضافت کے حساب سے کائنات کچھ اتنی جگہ میں سمائی ہوئی ہے کہ مکعب سینٹی میٹر میں ایک کا ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے آگے ۸۴ صفر لگائیں یا اسی پیائش کو مکعب کلومیٹر میں لیا جائے تو ایک کے آگے ۶۹ صفر لگائے جائیں تب حساب پورا ہو اس کے باوجود کائنات لامحدود ہے اس کا احاطہ نہیں کیا سکتا جسامت اور فاصلوں کے اعداد وشمار سے آپ خدائے تعالٰے کا خیال کیجئے کہ وہ کس قدر عظیم ہے اور پھر سوچئے کہ کیا ہم خدا کو واقعتہً اتنا ہی عظیم سمجھتے ہیں۔

اب ذرا اور آگے اور وقت کا اندازہ لگائیے جدید زمانے کے ریڈیائی ہیئت دانوں نے ایک کہکشائی نظام کا مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق اندازہ ہے کہ اس کی جو شعاعیں اس سے چار ارب نوری سال سے بھی پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ آج ہم تک پہنچی ہیں۔

ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لئے ہمارے اعداد وشمار نا کافی ہیں اس لئے نوری سال کی اصطلاح وضع کی گئی ہے نور یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر سفر طے کرتی ہے اس طرح

ایک سال میں اس کا سفر تقریباً 95 کھرب کلومیٹر ہوا، یہ فاصلہ نوری سال کا ہے۔اب 4 ارب کو 95 کھرب سے ضرب دیجئے تو کہکشاں کا ایک سرے سے دوسرے تک فاصلہ یا وقت معلوم ہوگا کہ ایک روشنی جو ایک کہکشاں سے چلی ہے وہ ہمارے کرہ تک کتنے وقت میں پہنچی۔تازہ ترین مشاہدہ میں ایسی کہکشاں بھی دیکھی گئی ہے جس کی روشنی ہم تک دس ارب نوری سال میں پہنچی ہے یعنی اس نے دس ارب 95x کھرب کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہے۔

مزید دیکھئے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں ایک مرکز کہکشاں ہے جس کے گرد تمام چکر کاٹ رہے ہیں ان کا ایک چکر تیں کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے یہ تو اب آپ کو بہت معمولی بات معلوم ہوگی کہ ہمارے سورج کی عمر کا اندازہ پانچ ارب سال ہے جب کہ کائنات کی عمر تقریباً پندرہ ارب سال ہے۔

ہم ان اعداد وشمار سے صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ ساری کائنات جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے وقت حجم اور فاصلہ کے اعتبار سے کس قدر لامحدود ہے۔لیکن خدائے تعالیٰ کی ازلی وابدی عظمت وکبریائی کا اندازہ لگانے کیلئے وقت کے یہ سارے پیمانے حجم کے یہ کل اندازے اور فاصلوں کی یہ تمام پیائش بالکل ناکافی ہیں۔اللہ تعالیٰ زمان ومکان کی جملہ وسعتوں سے بھی بہت بلندو برتر ہے اس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا اور جو نظم حکمت صناعی اور باہمی مناسبت اب اربوں کہکشاؤں اور ان کے گرد گردش کرنے والے ستاروں سیاروں میں پائی جاتی ہے اور ہم زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی دوردراز دنیاؤں کے مشاہدے کرتے ان کے فاصلے ماپتے اور ان کی رفتار کے حساب لگاتے ہیں تو اس سے ہم کو خدا کی عظمت اور اس کی قدرت وحکمت کا اندازہ ہونا چاہئے اور یہ مشاہدہ کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی لامحدود کائنات کی ایک ایک چیز باہمی جذب وکشش کے قانون میں کس قدر جکڑی ہوئی ہے کہ بڑے سے بڑا کرہ اپنے مدار سے ایک انچ ادھر اُدھر نہیں ہوتا اور ہر چھوٹے سے چھوٹا ذرہ قاعدے اور قانون کے تحت مکمل نظم وضبط اور منصوبہ بندی کے تحت مصروف کار ہے ہم جوں جوں اپنے مشاہدات میں آگے بڑھتے جائیں گے ہمارا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوتا جائے گا۔

آفاق کے اس مختصر سے خاکے کو پیش نظر رکھئے اور سوچئے کہ وہ کون سا حساب دان ہے جو آفاق کی پنہائیوں کا پورا پورا اندازہ لگا سکے اور زمان ومکان Time & Space انتہا معلوم کر سکے تحقیقات اور معلومات میں انسان جتنا آگے بڑھتا جا رہا ہے اتنا ہی زیادہ محسوس کر رہا ہے کہ ابھی وہ بہت تھوڑا جان سکا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں مختلف انداز سے بار بار انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے کہ وہ کائنات کی ان تمام حقیقتوں پر غور کرے اس غور وفکر کے نتیجے میں خالق کائنات کی عظمت وقدرت کا جو احساس وادراک حاصل ہوگا اور جو کیفیت قلب پیدا ہوگی وہی صحیح ایمان کی بنیاد بنے گی جو حقائق آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں وہ موجودہ دور کے چوٹی کے سائنسدانوں کے مشاہدات وتجربات کا نتیجہ ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کو غلط سمجھیں ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ ان حقائق سے سرسری طور پر نہ گذر جایئے بلکہ خدا کی عظمت وقدرت پر ایمان ویقین کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے۔

جب تک ہم کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوگا ہم اس سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت کو کیسے متعین کر سکتے ہیں ہم اگر یہی سمجھتے رہے کہ اللہ تعالیٰ محدود اور مختصر سی کائنات کا مالک ہے تو اس طرح ہم نے اس کی بے پایاں عظمت وسطوت کا ادراک اور اعتراف کر سکتے ہیں۔ نہ اس کی لامحدود رحمتوں اور عظمتوں پر ایمان لا سکتے ہیں لہٰذا ایمان کا تقاضا بھی کماحقہ پورا نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ ساری کائنات ایک مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقررہ کردہ قوانین کے مطابق رواں دواں ہے اور ہر روز اس لامحدود فضا میں گردش کرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی ہے اسطرح انسان کے لئے بھی اُس نے مقاصد اور ان کے حصول کے لئے مقررہ قوانین بنائے ہیں تا کہ ان پر چل کر اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کرتا ہوا زندگی بسر کرے اور قدم آگے بڑھاتا جائے۔

# مومن کی صفات

(پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی)

تقویٰ بندۂ مومن کی زندگی کا خاصہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت نے اسکے دل کو دنیا سے دور کر دیا ہے اس کے مجاہدہ وعبادات میں خلوص پایا جاتا ہے اور اس کے کام خالصتاً اللہ کیلئے ہوتے ہیں اس کا باطن پاک وصاف ہوتا ہے اللہ کی طرف سے اس کو سچی فراست کا انعام دیا جاتا ہے۔ یہ نیکی کے کاموں میں ثابت قدم اور ان کا فہم پاکیزہ ہوتا ہے۔مرد مومن دنیا کی طرف رغبت نہیں کرتا اور اس سے منہ موڑلیتا ہے، ماسوئ سے اعراض کرتا ہے۔مومن دھوکے کے گھر سے قلبی تعلق سے علیحدگی اختیار کرتا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرتا ہے اور موت کے واقع ہونے سے پہلے اس کے لئے تیار رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو پاک اور دل کو منور کر دیتے ہیں۔اللہ اس کے اسرار کو نفسانی آلودگیوں سے پاک کر دیتا ہے پھر اس کے اسرار عرش کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

نبی اکرم حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ تعالیٰ کیلئے دے اور کسی کو دینے سے منع کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے۔اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور اگر کسی سے بغض ودشمنی رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لئے رکھے۔ایسے شخص کا ایمان کامل ہو گیا۔مذکورہ بالا صفات کا حامل شخص کامل مومن کہلائے گا۔

(1) پہلی صفت: کامل مومن کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ دے تو اللہ تعالیٰ کیلئے دے یعنی اگر کوئی شخص کسی موقع پر کچھ خرچ کرے تو نیت صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو خواہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرے بال بچوں پر خرچ کرے یا صدقہ خیرات کرے بچوں پر خرچ کرنے کے وقت یہ سوچ ہو کہ جو حقوق میرے ذمے ہیں ان کی ادائیگی کے لئے خرچ کر رہا ہوں کہیں خرید وفروخت کا معاملہ ہو تو ذہن میں ہو کہ حلال طریقے سے کمائی کر رہا ہوں یا کہیں کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں۔ بے شک ظاہری طور پر دنیاوی معاملات اور کام کاج ہو گا لیکن زاویہ نگاہ بدل کر اس کام کو دین کا

کام بنایا جاسکتا ہے مثلاً سونا، جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا وغیرہ کو حضور اکرم ﷺ کے حکم اور سنت کے مطابق کریں گے تو دین بن جائے گا۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیک کام جو نیک نیتی سے انجام دیا جائے وہ صدقہ ہے خواہ کھانے کا وہ لقمہ جو انسان اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے وہ بھی صدقہ ہے۔ تحفہ تحائف کا لین دین ایک دوسرے سے کرنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو۔

(2) دوسری صفت: مومن کی دوسری صفت یہ فرمائی گئی ہے کہ اگر روکے اور منع کرے تو اللہ تعالیٰ کیلئے روکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ فضول خرچی نہ کرو تو یہ بچانا اور روکنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔ اس طرح رسمی تحائف کے لین دین کی سختی سے ممانعت ہے۔

(3) تیسری صفت: کامل مومن کی تیسری صفت یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرے مثلاً کسی اللہ والے سے محبت خالص ہو کسی دنیاوی طمع اور لالچ کی وجہ سے نہ ہو اس طرح اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ دنیا کی خاطر اللہ والوں سے تعلق نہ ہو کہ اگر ہمارا ان سے تعلق ہوگا تو عزت بڑھ جائے گی لوگ اچھا سمجھیں گے۔ دنیاوی کام نکالنے کے لئے بزرگوں اور اللہ والوں سے رابطے رکھنے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ دنیاوی محبتوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے بنا دیا جائے تو پھر یہ محبتیں اللہ تعالیٰ کیلئے خالص بن سکتی ہیں مثلاً بچوں اور بیوی سے محبت صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کی جائے یا والدین سے محبت اس نیت سے کرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ والدین سے محبت کرو۔ والدین پر محبت کی ایک نظر پر ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ہے۔ دین اور صوفیاء کرام کے ہاں کوئی شخص اپنی اصلاح احوال کے لئے جاتا ہے تو انہیں مختلف مجاہدے کرائے جاتے ہیں تاکہ ان کی محبتوں کے زاویئے بدل جائیں اور یہ محبتیں خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائیں۔ بچوں کے ساتھ پیار کرنا ان کے ساتھ کھیلنا وغیرہ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔ یہ آسان فارمولہ ہے کہ نیتوں کے اندر تبدیلی لا کر اور زاویہ نگاہ بدل کر ہر موقع پر کوشش کرے کہ یہ جو محبت میں کر رہا ہوں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے کر رہا ہوں

۔ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ ہم خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بندوں سے محبت کر رہے ہیں اس لئے پیمانہ یہ ہے کہ جب ان محبتوں کو چھوڑنے کا حکم یا موقع آئے تو دل پر بوجھ اور گرانی نہ ہو اور آسانی سے ان سے پہلو تہی کی جا سکے۔

(4) چوتھی صفت: کامل مومن کی چوتھی صفت بغض وغبار یعنی دشمنی وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جب ہم کسی سے دشمنی اور نفرت کریں تو یہ جذبہ کارفرما ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا دشمن ہے ویسے یہ نازک معاملہ ہے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے کہ نفرت ہمیں اس آدمی سے نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کی بدعملی سے ہونی چاہیے تاکہ کسی موقع پر اس کی اصلاح ہو سکے یعنی ہمیں کسی گناہ گار شخص سے بغض اور عداوت نہ رکھیں بلکہ اس کے گناہ سے نفرت اور بغض ہو غصہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو کسی سے ذاتی دشمنی کی بنا پر نہ ہو بلکہ اس کے خاص فعل اور حرکت اور عمل سے ہو۔

## دُعائے مغفرت

لسوڑی ضلع ملتان کے سینئر بھائی سید عاشق حسنین مرتضیٰ بخاری

ملتان کے بھائی راشد خان صاحب کے والد شوکت علی خان

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (ان للہ و انا الیہ راجعون)

**تمام بھائی مرحومین کی مغفرت کیلئے دعا فرمائیں**

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پید ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔